ماہنامہ

مجلہ

# حیاتِ نو

بلریا گنج

لَن يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا
وَلٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنكُمْ

نہ ان (جانوروں) کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں

نہ خون مگر اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

(الحج ۳۷)

# غزل

ام رفعت فلاحی

اگر عزم سفر ہو جائے کامل
سفینہ خود بخود پہنچ جائے گا ساحل

یہ عذر مصلحت بھی ہے عجب تر
کہ ہے بیزار اس شئے سے میرا دل

تمہاری ہم نشینی کا اثر ہے
وگرنہ ہم کہاں ہتے یہ باطل

عزیزو! وقت کی رفتار سمجھو
بہت مشکل ہے کرے ادراک ہر دل

خدایا عقل مسلم کو سدھارے
خوئے نسلم سے ہے بیزار اب دل

عجب یہ کیا تماشہ ہے کہ لوگو!
ہوا ہے ہر کوئی اب رہرو کا قاتل

محبت کی ہیں یہ پر پیچ راہیں
مقابل میں ہے یہ کمزور سا دل

نہ سمجھے ہے نہ سمجھے گا زمانہ
ہوا بیمار کس شئے سے میرا دل

ابھی ہر مسلماں دل ہو بیدار
کہ ہو ہر شخص کو فکر غنا دل

براہیم و محمدؐ اور موسیٰؑ
ہراساں کر سکا ان کو نہ باطل

اگر گھبرائیں ہم جیسے مسلماں
تو آئے کون دشمن کے مقابل

اندھیری رات کی ہو صبح روشن
مٹائیں نوجوان جو راج باطل

مگر یہ شرط واحد ہے عزیزو!
صفات ادعیہ اپنائے ہر دل

گروہ پیغام جو والعصر میں ہیں
وہی ہیں اسلئے مومن کے کامل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

# حیات نو

بلریا گنج


جلد: شوال، ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ — اپریل، مئی ۱۹۹۳ء

شمارہ: ۵،۴


| مدیر مسئول | بدل اشتراک |
|---|---|
| نور محمد فلاحی | سالانہ زر تعاون: ۵۰ روپے |
| | طلبہ کیلئے: ۴۰ روپے |
| مدیر: محمد اسمٰعیل فلاحی | خصوصی زر تعاون: ۱۰۰ روپے |
| | اعزازی زر تعاون: ۱۰۰۰ روپے |
| معاون مدیر: عبدالباری فلاحی | غیر ممالک سے زر تعاون: ۲۵ امریکی ڈالر |
| | اس شمارہ کی قیمت: ۷ روپے |

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔ لہذا چندہ جلد روانہ فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے


ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مجلہ "حیات نو" جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڈھ یوپی ۲۷۶۱۲۲

مطبوعہ آفسیٹ پریس، ناشر: کتب __________ محمد اشفاق عالم فلاحی، جامعۃ الفلاح بلریا گنج

# نقوش حیات نو

صفحہ


* اداریہ

| | | |
|---|---|---|
| علم کتاب وسنت اور علوم کونیہ کا امتزاج | محمد اسماعیل فلاحی | ۳ |

* بحث ونظر

| | | |
|---|---|---|
| غیر مسلم اکثریت کے ملکوں میں اسلامی بیداری اور اسکا لائحہ عمل۔ | مولانا ابوالحسن علی ندوی | ۸ |
| دینی مدارس میں فقہ کی تعلیم جائزہ اور تجزیہ | خالد سیف اللہ رحمانی | ۱۲ |
| نبی کریم کی جنگی کارروائیاں، امت کا تعاون وقت کی ایک اہم ضرورت۔ | خالد مسعود، ڈاکٹر اختر الزماں | ۲۴، ۵۵ |

* سیر وسوانح

| | | |
|---|---|---|
| قدرت اللہ شہاب ۔ ولی اور ادیب | ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی | ۳۲ |

* نکو در ہاتھوں چنوں میں . . . . .

| | | |
|---|---|---|
| دبی ذرہ بھی کرے ۔ بے دری لے توب اٹھ | ابوالسان لغوی | ۴۷ |

* تعارف وتبصرہ

| | | |
|---|---|---|
| طبی لغت نویسی کے مبادیات | عبدالباری اثری فلاحی | ۶۳ |

* شعر ونغمہ

| | | |
|---|---|---|
| صدائے صور اسرافیل، غزلیں | قمر الدین قمر، ام رفعت فلاحی، ایم اے شمسی کھوکھری، دو (۶۱) تا (۶۴) | |

* اخبار علمیہ

| | | |
|---|---|---|
| قرآن حکیم کے صحیح ترجمہ و تفسیر کیلئے بورڈ کا قیام، ترجمہ کرنیوالا بھی ہو | ابن العلم فلاحی | ۵۸ |

* جامعہ کے لیل ونہار

| | | |
|---|---|---|
| جامعہ ہمدرد کے وائس چانسلر ودیگر معززین کی آمد، جمعیۃ الطلبہ کا انتخاب نو | محمد اسماعیل فلاحی | ۶۶ |
| ادارہ کی جان آپ ہی ہیں | حاجی عبدالمتین | ۶۵ |

* روداد انجمن

| | | |
|---|---|---|
| شوریٰ کا اجلاس، دہلی یونٹ کا انتخاب | محمد اسماعیل فلاحی | ۷۱ |

* حلقہ یاراں ۔ دل کی بات | عبدالرحمٰن ناصر اصلاحی | ۷۲ |




اداریہ

محمد اسماعیل فلاحی

# علم کتاب وسنت اور علوم کونیہ کا امتزاج

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۔ (التوبہ ۱۲۲)

پس ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلتی تاکہ دین میں بصیرت حاصل کرتی اور جب اپنی قوم میں واپس جاتی تو انہیں انذار کرتی تاکہ وہ برائیوں سے بچیں ۔

وہ عرب بدو جو تعلیم و تربیت کے مرکز درسگاہ رسول مدینہ سے دور تھے اور ان کے اندر دین سیکھنے کا ولولہ بھی نظر نہیں آتا تھا قرآن نے ان کے نفاق اور ایمان و عمل کی کمزوریوں کا اصل سبب دین سے ان کی جہالت کو قرار دیا جس پر اس آیت میں انہیں ملامت کی گئی ہے اور اس بات پر ابھارا گیا ہے کہ اب سے وہ درسگاہ رسول آئیں اور دینی علم سے فیضیاب ہوں تعلیم حاصل کرنے کے لیے تفقہ فی الدین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو دین میں سوجھ بوجھ اور فہم و بصیرت حاصل کرنے کے لیے بولا جاتا ہے اور اس تفقہ فی الدین (دین میں بصیرت پیدا کرنا) کا مقصد انذار کو قرار دیا ہے لِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ تاکہ وہ اپنی قوم کو انذار کریں ۔ انذار کے معنی ہیں ڈرانا، ہوشیار کرنا برے نتائج سے باخبر کرنا، قرآن یہ لفظ آخرت کے انجام بد سے بچانے اور ہوشیار کرنے کے لیے خاص طور سے استعمال کرتا ہے ۔ یہ آیت ایک طرف دینی علم حاصل کرنے پر ابھارتی ہے، دوسری طرف تعلیم کا مقصد بھی متعین کر دیتی ہے کہ اس کا مقصد اپنی اور دوسروں کی تربیت اس طور سے کرنا ہے کہ آخرت کے انجام بد سے انسان بچ سکے ۔ دینی علم حاصل کرنے کی غرض سے نکلنے کیلئے قرآن نے جو لفظ النفر استعمال کیا ہے اسے وہ جہاد کے لئے استعمال کرتا ہے اس سے دینی علم کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے دینی علم حاصل کرنے اور اسے عام کرنے کی مختلف انداز میں ترغیب دی

آپ نے یہ بھی فرمایا

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ — تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اسے سکھائے

کبھی ارشاد ہوا۔

مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ — جس کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں بصیرت عطا کرتا ہے۔

بلکہ آپ نے ہر مسلمان پر اسے فرض قرار دیا ہے۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ — علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

کھیتی کیسے کی جائے، ٹریکٹر کیسے چلایا جائے اور کار کیسے بنائی جائے ظاہر ہے، اس کی جانکاری ہر مسلمان پر فرض نہیں قرار دی گئی ہے اور نہ نبیؐ کے فرمان کا یہ منشا ہے، یہ تو انسانی ضرورت کی چیزیں ہیں، انسان فطرتاً انہیں دنیوی ضرورت کے مطابق حاصل کرتا ہے اور اسے کرنا چاہئے، حدیث میں جس علم کا حصول فرض قرار دیا گیا ہے وہ کتاب و سنت کا علم ہے۔ روایات میں آتا ہے اس علم کو حاصل کرنے کیلئے صحابہ کرام نے اپنی باریاں بنائی تھیں اور وہ باری باری نبی کریمؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ علماء لکھتے ہیں جہاں تک توحید، رسالت، آخرت کی معرفت کا سوال ہے، حلال وحرام کی تمیز کی بات ہے یا حقوق و فرائض کا معاملہ ہے، ان کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر لازم اور فرض عین ہے۔ البتہ مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت کا وجود ضروری اور فرض کفایہ کی حیثیت رکھتا ہے جو دین کی گہری بصیرت رکھتی ہو، قرآن وحدیث پر جس کی عالمانہ نظر ہو، جو دینی معاملات میں مکمل رہنمائی کر سکے اور امت کی امامت کے قابل ہو۔ اسی بنا پر ہمارے اسلاف نے دینی مدارس کی بنیاد ڈالی اور ان کا جال بچھا دیا اس کے بغیر نئی نسل کا دین سے تعلق باقی رکھنا ممکن نہیں تھا۔

ہمارے ملک میں یہ مدارس دو طرح کے ہیں، ایک چھوٹے چھوٹے مکاتب جہاں بچوں کو دین کی بنیادی باتیں بتائی جاتی ہیں، قرآن پڑھایا جاتا ہے اور کچھ ضروری امور کی تعلیم ہوتی ہے۔ دوسرے وہ بڑے مدارس ہیں جہاں دین کی عالمانہ اور محققانہ تعلیم ہوتی ہے، تاکہ ایسے گروہ پیدا ہوتے رہیں جو دین میں گہری بصیرت رکھتے ہوں اور رسوخ فی العلم کے مرتبہ پر فائز ہوں۔



ان مدارس کے نصاب میں عربی گرامر، عربی ادب، فقہ، قرآن، حدیث، اسرار شریعت وغیرہ علوم شامل ہیں، ان میں سے ہر علم اپنے کچھ تقاضے رکھتا ہے جس میں درک حاصل کرنے کے لئے اس کی کتابوں کی ورق گردانی اور بڑی محنت کے ساتھ کئی کئی سال درکار ہوتے ہیں۔

یہ تو کتاب و سنت کے اس علم کی بات تھی جس پر ہماری دنیا اور آخرت کی کامیابی کا انحصار ہے۔ رہے علوم عصریہ تو ایسا نہیں ہے کہ وہ شجر ممنوعہ ہوں۔ ایسے تمام علوم، جن کی امت کو ضرورت ہے، ان کا حاصل کرنا بھی امت پر فرض کفایہ ہے تاکہ امت ان میں دوسروں کی محتاج نہ رہے اور وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ سارے علوم دینی مدارس کے نصاب میں شامل کر دیئے جائیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دینی مدارس کے نصاب کو کم کرنا ہوگا پھر طالب علم نہ تو کتاب و سنت کے علم میں ماہرانہ بصیرت پیدا کر پائیگا اور نہ اسے عصری علوم پر دسترس حاصل ہو سکے گا۔

اس کے لئے مناسب شکل یہ ہو سکتی ہے کہ عربی شروع کرنے کے پہلے ایک خاص مرحلہ تک یہ سارے علوم پڑھائے جائیں، جیسا کہ جامعۃ الفلاح میں ہوتا ہے۔ اس کے بعد طالب علم اپنے مزاج اور صلاحیت کے مطابق دینی اور عصری علوم میں سے کسی ایک میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کیلئے اپنے کو یکسو کرے، عصری علوم کا نصاب ایسا بنایا جائے کہ اس میں دین کی بنیادی تعلیمات کے لئے مواقع ہوں اور دینی علوم کا نصاب ایسا مرتب ہو کہ اصل مقصد متاثر ہوئے بغیر ممکن حد تک عصری علوم کے لئے گنجائش ہو، یہ خواب کہ ایک طالب علم تمام دینی علوم میں بھی ماہر ہو جائے اور عصری علوم میں بھی وہ کسی سے کم نہ ہو بس ایک خواب ہے جس کی کوئی تعبیر نہیں۔ کسی ایک علم کی تحصیل کے بعد دوسرے کا رخ کیا جا سکتا ہے۔

آج کچھ لوگ اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ دینی مدارس کے نصاب میں عصری علوم بڑے پیمانہ پر شامل کر دیں۔ ان مخلصین کا خلوص اپنی جگہ پر لیکن سوال یہ ہے کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ عصری علوم کی دنیا میں کیا ہم کسی ڈاکٹر سے اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ وہ قانون میں بھی ماہر ہو، سیاسیات کے کسی طالب علم سے کوئی لاء ( [illegible] ) کا سوال نہیں کرتا، معاشیات کے کسی ماہر سے کوئی اس بات کی توقع نہیں رکھتا کہ وہ سائنس کا بھی استاد ہوگا۔

لیکن یہ عجیب ستم ہے کہ دینی علوم کا جب ذکر آتا ہے تو اس بات کی خواہش کی جاتی ہے کہ تمام دینی علوم کے ساتھ اسے معاشیات بھی آنی چاہئے اور سیاسیات بھی، انگریزی ادب بھی کسی سے کم نہ ہو اور سائنس میں بھی وہ کسی سے پیچھے نہ رہے، جغرافیہ بھی جانے اور ہندی بھی اسے آئے۔ حیرت ہے علم اور سائنس کی دنیا میں یہ بے علمی کی بات ! ..........

عصری علوم کی جانکاری یقیناً ہماری ضرورت ہے۔ لیکن ایک ہی طالب علم پر دونوں کا بار ڈالنا کیا مناسب بات ہے۔ آج نسبتاً عصری ادارے ہمارے پاس زیادہ ہیں ضرورت ہے کہ ان میں دینی علوم کے ضروری اجزاء شامل کئے جائیں۔ کتاب و سنت کی تعلیم کیلئے مختص اداروں میں بس اسی حد تک عصری علوم کا امتزاج مناسب ہے جس سے ان کی اصل کارکردگی متاثر نہ ہو۔

---

چند ماہ قبل ہاسن، کرناٹک، کے میرے ایک محترم دوست نے بڑے جذباتی انداز میں کہا مجھے آپ لوگوں پر تعجب ہے۔ زمانہ کہاں سے کہاں پہونچ گیا۔ آپ لوگوں کو زمانے کے تقاضے کا علم نہیں، ابھی تک آپ لوگوں نے عربی درجات میں سائنس وغیرہ داخل نہیں کی۔ ہم لوگ ایسے مدرسوں کی سخت مخالفت کریں گے جہاں صرف مسجد کی موذنی اور امامت کی تعلیم ہوتی ہے۔

میں نے اپنے محترم دوست کو یہ بتانے کی کوشش کی کہ دینی و عصری علوم کا امتزاج کس حد تک مناسب ہے۔ انکی اس گفتگو کے پیچھے دراصل ایک درد تھا جس سے مجبور ہو کر اقبال نے بھی کہا تھا۔

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اسکو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

لیکن اس میں بھی ہمارا قصور ہے۔ ہم ہی نے اپنی مسجدوں کی امامت اور موذنی ایسے افراد کے سپرد کی۔ جو مسجد کے صحیح معنوں میں امام ہو سکتے تھے ہم نے انکو اس سے دور رکھا۔ ہمیں ایسا امام چاہئے جو صدر اور سکریٹری کے پیچھے دوڑے ہر بات میں ہاں جناب کہے اور جو علمی حیثیت سے صفر ہو۔ مسجد کی امامت بہت اونچا مقام ہے لیکن جب نا اہل لوگوں کے ہاتھوں میں آئیگا تو اس کا یہی حشر ہوگا۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ہم نے جب عزت و سربلندی حاصل کی ہے تو اسی کتاب کے ذریعہ اور جب ہم پستی کے گڑھے میں گرے ہیں تو اسی کتاب کو چھوڑنے



کے نتیجہ میں۔

إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِيْنَ۔

یقیناً اللہ اس کتاب کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو سربلندی عطا کرتا ہے اور بہتوں کو پستی میں گرا دیتا ہے

آئندہ جب بھی ہم اٹھنا چاہیں گے اسی کتاب کو ہمیں پکڑنا ہوگا۔ ہماری کمزوری یہ ہے کہ ہم مرض کی صحیح تشخیص نہیں کر پاتے۔ ہماری پستی کا یہ سبب نہیں ہے کہ ہم میں ڈاکٹر انجینیر اور سائنسٹ کم ہیں یا ہم میں کارخانہ دار اور اچھے تاجر نہیں یا ملازمتوں میں مناسب نمائندگی نہیں، ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم ایمان اور عمل صالح سے دور ہیں، اللہ کی کتاب سے ہم بس رسمی سا ہے، ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ

لَنْ يُصْلِحَ آخِرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهِ أَوَّلُهَا۔

یہ امت اپنے بعد کے ادوار میں اسی چیز سے فلاح یاب و کامیاب ہوگی جس سے آغاز کار میں ہو چکی ہے۔

---

رمضان کے پہلے متعدد مضامین نشاط پریس ٹانڈہ کے حوالہ کئے گئے تھے کہ رمضان کے بعد حیات نو کی طباعت میں تاخیر نہ ہو، افسوس ہے کہ وہ مضامین وہاں سے غائب ہو گئے اور نئے سرے سے دوسرے مضامین کی کتابت کرانی پڑی۔ برادر آفتاب رحمانی حیات نو سے علیحدہ ہوئے اس لئے ہمارے کاتب جناب محمد اشفاق عالم صاحب اپنی اہلیہ کی علالت کی وجہ سے گھر سے تاخیر سے آئے۔ ان گوناگوں اسباب کی بنا پر معذرت کے ساتھ یہ شمارہ قدرے تاخیر سے اور دو ماہ کا مشترک شائع کرنے پر ہم مجبور رہے۔

---

بقیہ :۔ تعارف و تبصرہ

اور اسے کرنا چاہئے کیونکہ اردو زبان میں اس طرح کی علمی چیزیں تقریباً نایاب ہیں لہٰذا اسے ہی غنیمت سمجھنا چاہئے۔

محترمی مترجم کے لئے سب سے زیادہ باعث مسرت پہلو یہ ہے کہ اپنے مادر علمی دار العلوم ندوۃ العلماء (اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ) کا جو احسان ان پر ہے اس خدمت کے ذریعے انہوں نے اسے چکا دیا اللہ اس خدمت پر انہیں آخرت میں بھی جزائے خیر دے آمین

مولانا ابوالحسن علی ندوی

# غیر مسلم اکثریت کے ملکوں میں اسلامی بیداری

## اور اسکا لائحہ عمل

یہاں ان ملکوں میں اسلامی بیداری کے بارے میں چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں، جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، اور ان کے چاروں طرف غلط فہمیوں غلط بیانیوں، جھوٹے الزامات اور بے بنیاد واہموں کے دائرے پھیلے ہوئے ہیں جہاں قومی جمہوری حکومتیں بر سر اقتدار ہیں، وہاں بھی ایک مدت سے اسلامی بیداری کی لہر موجود ہے، اور اسلامی ممالک میں پیدا ہونے والی بیداری کی لہروں سے کچھ کم طاقتور نہیں ہے،

### اسلام کی مثالی سیرت و کردار کی نمائندگی

ان غیر اسلامی ملکوں میں تمام مسلمانوں کیلئے عام طور پر اور اسلامی دعوت کا کام کرنے والوں کے لئے خاص طور پر ضروری ہے کہ اسلام کی مثالی سیرت و کردار کا ممکن حد تک واضح اور نمونہ پیش کریں، یہ اس دین کے لئے احترام کا جذبہ پیدا کرنے کا سب سے قوی اور موثر ذریعہ ہے، یہی بات برادران وطن کو اسلام کے مصادر (SOURCE) اور اسلامی تعلیمات کے مطالعہ کی دعوت دے سکتی ہے، جن تعلیمات نے مسلمانوں کو بہترین سیرت و اخلاق اور امتیازی رنگ عطا کیا ہے، اور پرکشش سانچے میں ڈھالا ہے یہی بات ان کو قرآن مجید، سیرت نبوی اور شریعت اسلامی سے مانوس ہونے اور ان کا مطالعہ کرنے پر آمادہ کر سکتی ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ ایک زمانہ سے مسلمان اسلامی سیرت و کردار سے ہٹ چکے ہیں، وہ غیر مسلم اکثریت کے عادات و اطوار، رسم و روایات اور مقامی قدیم تہذیب و تمدن سے متاثر ہو چکے ہیں، یا جدید مغربی مادی تہذیب کے زیر اثر آچکے ہیں۔

پھر یہ بات بھی واضح ہے کہ غیر مسلموں کے لئے یہ ممکن یا آسان نہیں کہ مسلمانوں کے اعمال و اخلاق کا مطالعہ مسجدوں اور مدرسوں میں جاکر کریں، وہ تو مسلمانوں کو دیکھیں گے بازاروں میں



دفاتر میں، محکموں میں اور عمومی اجتماعات اور تقریبات کے موقع پر، اور یہیں سے وہ اچھا یا برا اور غلط یا صحیح تاثر قائم کریں گے۔

### پر امن اور بقائے باہم کی فضا بنانے کی کوشش

غیر مسلم اکثریت کے ملکوں میں مسلمانوں کے کرنے کا دوسرا ضروری کام یہ ہے کہ امکان بھر اور اپنی استطاعت کی حد تک اس بات کی پوری کوشش کریں کہ ملک میں امن و سکون کی فضا قائم رہے، اور پر امن بقائے باہم CO.EXISTENCE کا اصول کار فرما ہو، تاکہ باہمی احترام و اعتماد کی فضا میں ایجابی اور تعمیری کاموں کا موقع فراہم رہے، کیونکہ اس کے بغیر دینی ادارے، اسلامی سرگرمیوں کے مراکز یہاں تک کہ مسجدیں اور مدرسے سب خطروں کی زد پر ہیں، کسی وقت بھی نفرت اور فرقہ وارانہ جنون کا سیلاب ان تمام اداروں اور مقامات کو برباد کر سکتا ہے۔

اسی طرح امن و سکون اور باہمی احترام ہی کی فضا میں مسلمانوں کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ وہ اپنے اسلامی تشخص و امتیاز کو محفوظ رکھیں، اسلامی شریعت و احکام کے مطابق زندگی گذاریں، اپنے عائلی قانون اور خاندانی نظام کو باقی رکھیں، اپنی نئی نسل کو اسلامی عقائد و تعلیمات پر قائم رکھیں، اپنی اولاد کو اسلام کی تعلیم دلائیں اور اس بات کا اطمینان حاصل کریں جس کا اطمینان سیدنا یعقوب علیہ السلام نے حاصل کیا تھا، جب انہوں نے اپنے بیٹوں اور پوتوں سے سوال کیا تھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟

| | |
|---|---|
| "مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ" | تو ان لوگوں نے ایک زبان ہو کر جواب دیا تھا: |
| نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ | ہم عبادت کریں گے آپ کے اور آپ کے باپ |
| اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ | دادوں ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق کے معبود |
| اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ | کی: اسی معبود واحد کی، اور ہم تو اسی |
| مُسْلِمُوْنَ ۝ | کے حکم بردار ہیں۔ |

(سورۃ البقرۃ - ۱۳۳)

### سماجی بگاڑ کی اصلاح اور اخلاقی قیادت

اسی طرح مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ ملک کی اخلاقی قیادت کی ذمہ داری قبول کریں، ملک میں پھیلے

ہوئے بگاڑ کو درست کرنے کے لئے سامنے آئیں، پاکیزہ شریفانہ زندگی اور انسانیت کے احترام کی دعوت دیں، ملک جس اخلاقی گراوٹ میں مبتلا ہے، اور اجتماعی خودکشی کی راہ پر تیزی سے بڑھ رہا ہے، اس کو روکنے اور سماج کو مکمل تباہی سے بچانے کی کوشش کریں، یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ایسا جہاز غرق ہو جائے جس پر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد سوار ہو، اور اس وجہ سے غرق ہو کہ یہاں دولت کی اور شہوت نفسانی کی پوجا ہو رہی ہے، یہاں حرص، لالچ اور مفاد پرستی انتہا کو پہونچی ہوئی ہے، یہاں رشوت خیانت اور ملک غداری عام ہے، مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد، ان کے علماء و مشائخ اور ان کے مدارس و معابد کی موجودگی میں کسی ملک اور سماج میں یہ بیماریاں پھیل جائیں، بڑی فکر کی بات ہے، کیونکہ مسلمانوں کے پاس دین کی تعلیمات رسولؐ کی سنت اور صحابۂ کرامؓ کے اسوہ کی صورت میں اخلاقی تحفظ کا سامان موجود ہے، جو اخلاقی بے راہ روی اور ذہنی دیوالیہ پن سے بچا سکتا ہے، اور ملک اور سماج کو مکمل تباہی سے محفوظ رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اسی صورت میں مسلمان اپنے صحیح مقام و منصب کی نمائندگی کر سکیں گے اور اسی صورت میں اہل وطن مسلمانوں کی عزت و احترام کریں گے ان کا پاس و لحاظ رکھیں گے، انکو آنکھوں پر بٹھانے اور دل میں جگہ دینے پر مجبور ہوں گے اور ممکن ہے اللہ انہیں اس ملک کی قیادت کا ایک موقع پھر عنایت فرمائے۔

اخلاقی قیادت کا میدان واحد میدان ہے، جو اب تک خالی پڑا ہوا ہے، اور مسلمانوں کے لئے اس کا موقع ہے کہ وہ اس میدان میں اپنی صلاحیت اہلیت اور امتیاز ثابت کر دکھائیں اور اسی راہ سے قیادت کا منصب حاصل کر لیں۔

## جمہوری حقوق کا صحیح استعمال اور قانون سازی کے رخ و رفتار پر گہری نظر

جمہوری ملکوں میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے شہری اور جمہوری حقوق کو خود اعتمادی اور جرأت و ذہانت کے ساتھ استعمال کریں، کیونکہ وہ بھی ملک کے وفادار اور دیانتدار فرزند ہیں، انکو بھی وہی حقوق حاصل ہیں جو غالب اکثریت کو حاصل ہیں، اس طرح ان کو اس بات کے مواقع حاصل رہیں گے کہ اپنے



حقوق کی اور اپنے مقام و منصب کی حفاظت کریں اپنے دین و مذہب کے مطابق زندگی گذاریں، اپنی شریعت اور دینی تعلیم کو غیروں کی مداخلت سے محفوظ رکھیں، اس کے لئے ضروری ہے کہ مجالس قانون ساز میں بننے والے قوانین کا ذہانت اور بیدار مغزی کے ساتھ مسلسل مطالعہ کرتے رہیں، اور ان مجالس کے نمائندوں کے انتخاب میں بھی اپنا پورا وزن استعمال کریں، ایسا نہ کہ غفلت میں کسی مصیبت یا مشکل میں پھنس جائیں اور اپنے مذہب و عقیدہ کے خلاف قوانین پر عمل کرنے اور حالات سے صلح کرنے پر مجبور ہو جائیں، انکو اہل مصر کے لئے سیدنا عمرو بن عاصؓ کی وصیت ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہئے۔

| | |
|---|---|
| انتم في رباط دائم | تم مستقل محاذ پر ہو کیوں کہ مخالفین |
| لتشوف القلوب اليكم۔ | کے دل تمہاری ہی طرف لگے ہوئے ہیں۔ |

## نئی نسل کی تعلیم و تربیت اور انکے ایمان و عقیدہ کی حفاظت

مسلمانوں کو چاہئے کہ نئی نسل کی مضبوط و مستحکم اسلامی تعلیم کا انتظام کریں، اور توحید کا عقیدہ جو ان کا شعار و امتیاز اور ان کے اور برادران وطن کے درمیان خط فاصل ہے، اس عقیدہ کو نئی نسل کے دل و دماغ میں پیوست کر دینے کی ذمہ داری سنبھالیں، اور دقت نظر اور دینی غیرت و حمیت کے ساتھ سرکاری نظام تعلیم و تربیت، مدرسوں میں مقرر نصاب تعلیم، ثقافتی پروگراموں اور وسائل ابلاغ کا جائزہ لیتے رہیں، کیونکہ یہ چیزیں بچوں اور نوجوانوں کے عقیدۂ توحید پر برا اثر ڈالتی ہیں، اور بچے ہی نہیں، تعلیم یافتہ مردوں، عورتوں کے عقیدہ کو بھی کمزور کرتی ہیں، بلکہ بسا اوقات اسکے خلاف دعوت دیتی ہیں، یہ سارا کام وطنی اور قومی ثقافت کے نام پر کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ قدیم ہندوستانی دیو مالا MYTHOLOGY ہے، جسے پھر سے زندہ کیا جاتا ہے، مسلمانوں کو ان وسائل و ذرائع اور اداروں کا مقابلہ کرنا چاہئے انہیں دستور میں دیئے گئے حقوق سے فائدہ اٹھانا چاہئے، جو فکر و خیال کی آزادی، دین و عقیدہ میں عدم مداخلت اور شہری حقوق میں مساوات کی ضمانت فراہم کرتا ہے، ملک کے ہر فرد کو مساوی عزت و مقام دیتا ہے اور ہر ایک کو اپنے عقیدہ اور خواہش کے مطابق نئی نسل کی تربیت کا حق دیتا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ موجودہ وسائل ابلاغ اور نظام تعلیم و تربیت سے جوانوں، بڈھوں مردوں، عورتوں کے ذہنوں پر پڑنے والے اثرات کا مقابلہ

بقیہ ص ۹۰

خالد سیف اللہ رحمانی
دارالعلوم سبیل السلام
حیدرآباد

# دینی مدارس میں فقہ کی تعلیم

## جائزہ اور تجزیہ

اسلامی تعلیمات کے دو سرچشمے ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ — قرآن مجید میں اصل بحث اعتقادات اور اساسیات دین سے کی گئی ہے۔ زندگی کے عملی مسائل پر بہت کم اظہار خیال فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ محققین کا اندازہ ہے کہ قرآن مجید میں احوال شخصیہ سے متعلق ستر، شہری قوانین سے متعلق ستر، قانون جرم و سزا سے متعلق تیس [۳۰]، قانون معدلت سے متعلق تیرہ [۱۳]، مالی اور اقتصادی قانون سے متعلق دس، دستوری اور آئینی قوانین سے متعلق بھی دس [۱۰] اور بین الاقوامی معاملات و خارجہ تعلقات سے متعلق پچیس [۲۵] آیات نازل ہوئی ہیں۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ قرآن نے ہر شعبۂ حیات سے متعلق بنیادی اصول و قواعد متعین فرما دیے ہیں اور شریعت کے اساسی مقاصد اور مقتضیات کو واضح کر دیا ہے۔

حدیث میں نسبۃً عملی احکام پر زیادہ روشنی ڈالی گئی ہے اور زندگی کے ایک ایک گوشہ کے لئے عملی نمونہ فراہم کر دیا گیا ہے۔ لیکن حدیث میں بھی عبادات اور اخلاقیات کی تو پوری طرح تحدید کر دی گئی ہے، لیکن معاملات کے باب میں کچھ ضروری احکام پر ہی اکتفا کیا گیا ہے، اور ہر ہر گوشہ کی تفصیل کی بجائے ابہام کی راہ اختیار کی گئی ہے۔ اسی لئے ہر دور میں پیدا ہونے والے مسائل کے لئے قرآن و حدیث میں بنیادی ہدایات تو مل جاتی ہیں، لیکن ان کے قطعی حل کے لئے غور و فکر کی حاجت باقی رہ جاتی ہے اور ایسا کیا جانا ضروری بھی تھا کہ اگر یہ صورت اختیار نہ کی جاتی تو امت کے لئے بڑی تنگی پیدا ہو جاتی اور بعض دفعہ بدلے ہوئے حالات میں جزوی تفصیلات پر عمل کرنے کی وجہ سے شریعت کے بنیادی مقاصد مجروح ہو کر رہ جاتے۔

اسی "غور و فکر" کا نام اجتہاد ہے اور علماء کے اجتہادات کی مرتب شکل کا نام "فقہ" ہے۔ گویا فقہ ایک طرف کتاب و سنت سے ماخوذ اور اس کی تعلیمات کا عطر و خلاصہ ہے



اور دوسری طرف انسانی زندگی سے اس کا گہرا رشتہ ہے — اسی لئے کہا جا سکتا ہے کہ علوم اسلامی میں سے کوئی اور فن انسانی زندگی سے اس درجہ مربوط نہیں ہے۔ جتنا فقہ ہے۔ یہ قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک مرتب نظام نامۂ حیات اور شریعت کے منشا و مقصود کی عملی تشکیل ہے، اس لئے علماء اور دینی علوم کے حاملین کے لئے فقہ میں مہارت، درک و معرفت ناگزیر ہے۔

اس وقت ہمارے مدارس کا جو نصاب تعلیم ہے گو اس میں فقہ کی اہم اور بے نظیر کتابیں داخل ہیں، لیکن وہ کافی نہیں ہیں۔ نصاب تعلیم اور طریقۂ تعلیم دونوں پہلوؤں پر توجہ کی ضرورت ہے یہ موضوع بالغ نظر علماء کی اولین توجہ کا مستحق ہے۔ اور اس وقت اسی سلسلہ میں دو چار باتیں عرض کرنی ہیں۔

فقہ کے فن کو دراصل تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک فقہ، دوسرے اصول فقہ اور تیسرے قواعد فقہ۔

**کتب فقہ** فقہ میں علامہ ابوالحسن مرغینانی کی "ہدایہ" ایک بے نظیر کتاب ہے۔ مرغینانی نے امام قدوری کی مختصر اور امام محمد کی الجامع الصغیر دونوں کو ملا کر فقہ کا نہایت جامع متن تیار کیا اور پھر اس کی نہایت طویل و مبسوط شرح "کفایۃ المنتہی" کے نام سے لکھی، پھر اس کی نہایت جامع اور "قل و دل" کا مصداق تلخیص "ہدایہ" کے نام سے کی جو اہل علم اور ارباب ذوق کے لئے صدیوں سے چشم عقیدت کا سرمہ ہے۔ مصنف کو بعضوں نے "مجتہد فی المذہب" قرار دیا ہے اور بعضوں نے "اصحاب ترجیح" کے زمرے میں رکھا ہے۔ واقعہ ہے کہ مولف کو "مجتہد فی المذہب" قرار دینا عین قرین انصاف ہے۔ مسائل کے احاطہ، منقول و معقول دلائل کے انتخاب، طرز استدلال کی قوت اور ایجاز میں اس کا جواب نہیں۔ اس کا امتیاز ہے کہ یہ اپنے قارئین کو غور و فکر کا ایک نہج عطا کرتی ہے اور استخراج کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ اگر اس میں یہ کمزوری نہیں ہوتی کہ مصنف نے جا بجا روایات کے نقل کرنے میں صحیح و سقیم کا امتیاز نہیں کیا ہے، جس کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو کہنا پڑا۔

مصنف وے داکثر بنا کار بر دلیل معقول نہادہ    اسے مصنف اکثر اپنے نقطۂ نظر کی بنیاد دلیل معقول پر

مالہ حدیث آوردہ نزد محدثین خالی از ضعفے نہ غالباً اشتغال اوش باسناد و بحدیث کم بودہ است۔ (شرح سفر السعادۃ ۱۲۳)

رکھتی ہیں۔ اگر حدیث لاتے ہیں تو وہ بھی ایسی جو محدثین کے نزدیک ضعف سے خالی نہیں۔ غالباً مصنف حدیث سے موصوف کا اشتغال کم تھا۔

تو شاید فقہ اسلامی کے پورے ذخیرہ میں اس کے مماثل ہی نہیں، بلکہ اس سے قریبی درجے پائے کی بھی کوئی اور کتاب مستحق نہیں ہوتی۔ دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں اس کتاب کا جگہ پانا "حق بہ حقدار رسید" کے مصداق ہے۔ مگر صورت حال یہ ہے کہ ہدایہ کے چار حصوں میں عملاً صرف پہلا حصہ ہی مکمل ہو پاتا ہے، جو عبادات پر مشتمل ہوتا ہے اور جس کی بحثیں مختلف کتب فقہ کے علاوہ کتب حدیث میں بھی کثرت و تکرار کے ساتھ آتی رہتی ہیں۔ ہدایہ کی بقیہ جلدیں جو معاشرتی احکام، بین ممالک قانون اور سیاسیات سے متعلق ہیں، تشنۂ تکمیل رہتی ہیں؛ یہ وہ مسائل ہیں جن میں احکام کی بنیاد نصوص سے زیادہ قیاس اور عرف و مصلحت پر ہے۔ ان سے طلبہ کا ناآشنا رہ جانا زندگی کے مختلف گوشوں میں اسلامی تعلیمات و ہدایات سے ان کی محرومی کے ہم معنی ہے۔ میرا خیال ہے کہ دو سال میں چار کے بجائے پانچ گھنٹوں میں اگر یہ کتاب مکمل کردی جائے تو طلبۂ فقہ پر احسان عظیم ہوگا۔

ہمارے نصاب میں اس سلسلہ کی دوسری کتاب "المختصر للقدوری" ہے اس کے مصنف امام ابو الحسین احمد بن محمد قدوری (م ۴۲۸ھ) ہیں جو پانچ واسطوں سے امام محمد کے شاگرد ہیں۔ قدوری مسائل کے احاطہ و انتخاب، تعبیر کی سلاست و وضاحت، استناد کے اعتبار سے تثبت و احتیاط نیز حسن ترتیب میں نہایت اعلیٰ درجہ کی تالیف ہے اور فقہی متون میں اس کی نظیر بہت کم ہی ملتی ہیں۔ یہ کتاب عربی تعلیم کے ابتدائی سالوں میں پڑھائی جاتی ہے اور غالباً اکثر مدارس میں یہ بھی تشنۂ تکمیل رہتی ہے۔

ان دو کتابوں کے علاوہ تین اور کتابیں اس موضوع پر داخل درس ہیں۔ ابتدائی جماعت میں "نور الایضاح" جو ابو الاخلاص حسن بن عمار شرنبلالی (م ۱۰۶۹ھ) کے قلم سے ہے اس کا موضوع عبادات یعنی ارکان اربعہ ہیں۔ شرنبلالی کو فقہاء میں وہ درجہ نہیں دیا گیا ہے جو مرغینانی اور قدوری نے پایا ہے۔ اور اس کی مثال خود یہ کتاب ہے۔ جس میں سنن و آداب وغیرہ کے نقل



کرنے میں جا بجا تسامح ہوا ہے، عبارت میں بھی وہ سلاست و برجستگی نہیں ملتی جو امام قدوری کے متن میں ہے۔ درنصابی نقطۂ نظر سے سب سے قابل توجہ امر یہ ہے کہ کتاب کی ابتدا ہی میں غسل و استنجاء وغیرہ کے مسائل میں ایسی وضاحت و صاف گوئی کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے جو کم سن اور شعور کی دہلیز پر قدم رکھنے والے طلبہ کے سادہ ذہن کے لئے کسی طرح موزوں نہیں کہا جا سکتا۔

دوسری کتاب "کنز الدقائق" ہے ابو البرکات نسفی (م ۷۱۰ھ) نے حنفیہ کی مستند آراء پر مشتمل نہایت جامع متن اس کتاب کی صورت میں مرتب فرمایا ہے۔ خود ابن نجیم نے اس کو ظاہر روایت سے ثابت شدہ احکام کا مجموعہ بتایا ہے لانہ موضوع لنقل ظاہر الروایۃ (البحر الرائق ۲۲۲/۷) ـــــ علامہ نسفی کے علمی مقام و مرتبہ کی شاہد تفسیر میں "مدارک التنزیل" اور اصول میں "المنار" ہیں کہ ان کو جو شہرت عام اور بقائے دوام اپنے فن میں حاصل ہوا، اس کی مثال کم ہی مل پاتی ہے۔

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ اس دور وسطیٰ کی تالیف ہے جب فن پر توجہ دینے اور اس میں اضافہ کرنے کی بجائے ایسی تحریروں کا رواج پڑ گیا تھا جس میں مختصر عبارت میں بیش معانی کو سمیٹ لیا جائے۔ خواہ الفاظ و عبارت کی اس کفایت کے نتیجہ میں قارئین کا وقت کتنا بھی صرف ہو جائے۔ اور ایک ایک سطر کی عقدہ کشائی میں بے چارے شارحین کے صفحہ کے صفحے بھی کافی نہ ہو پائیں۔ افسوس کہ خود "کنز الدقائق" بھی اسی مزاج کی کتاب ہے اور اس کے اختصار نے حد ایجاز کو پار کر کے اغلاق کی صورت اختیار کرلی ہے۔

تیسری کتاب تاج الشریعہ محمود کے فقہی متن "وقایہ" ہے ان کے پوتے صدر الشریعہ الاصغر عبید اللہ بن مسعود (م ۷۴۷ھ) کی مفصل شرح ہے جو "شرح وقایہ" کے نام سے معروف و متداول ہے۔ شرح وقایہ کو فتاوی وغیرہ میں ہدایہ و قدوری اور کنز کا سا استناد حاصل نہیں۔ بہت سے مقامات پر ایسا طول بیان ہے جس کی ضرورت نہیں اور جس سے مزید ژولیدگی اور ابہام پیدا ہوگیا ہے۔ مصنف کو چونکہ اصول و کلام سے بھی تعلق رہا ہے اس لئے بعض ایسے مقامات پر معقولی اصطلاحات و تعبیرات اختیار کی گئی ہیں، جہاں اس کی ضرورت نہ تھی، نہ راجح اقوال۔

کے نقل کرنے کا اہتمام ہے۔

انہیں دو کتابیں ایسی ہیں کہ ان کا متبادل موجود ہے۔ "شرح وقایہ" کی جگہ ملا علی قاری کی "النقایہ" بڑی عمدہ چیز ہے۔ ملا علی قاری بلند پایہ محدث ہیں اور جب کسی مصنف کے ذوق میں حدیث و فقہ کا "قران السعدین" ہو جائے تو اس کی آب و تاب کچھ اور ہو جاتی ہے ـــ "نور الایضاح" کی جگہ مولانا شفیق الرحمن ندوی نے "الفقہ المیسر" کے نام سے اس سن و سال کے طلبہ کے لئے بڑی اچھی چیز تیار کر دی ہے۔ زبان سہل ہے، چھوٹے فقرے ہیں، تراکیب بھی لمبی نہیں ہیں، مسائل وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، ترتیب بھی اچھی ہے۔ ان مسائل سے صرف نظر کیا گیا ہے جن کی ابھی ان طلبہ کو ضرورت نہیں۔ ساتھ ہی نئے طریقہ پر "تمرینات" بھی قائم کر دی گئی ہیں۔ ضرورت ہے کہ "دینی مدارس" اسے قبول کریں۔ مگر افسوس کہ بعض دفعہ گروہی حد بندیاں اور تنگ نظریاں اعتراف و تسلیم میں رکاوٹ ہو جاتی ہیں۔ والی اللہ المشتکی

**تقابلی مطالعہ**

تقابلی مطالعہ و بحث کا ذوق واقعہ ہے کہ دوسرے اہل فن کے مقابلہ فقہاء کے یہاں زیادہ ہے۔ اہل سنت کے چاروں دبستان فقہ پر متعدد کتابیں اس موضوع کی لکھی گئی ہیں، قدیم علماء نے بھی لکھی ہیں اور ماضی قریب میں بھی بعض عرب اہل علم نے اس پر بڑا قیمتی کام کیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ فقہ پر ایک ایسی کتاب بھی شریک نصاب ہو جو مختلف فقہی آراء کا معروضی اور غیر جانبدارانہ مطالعہ کراتی ہو۔ اس سے نگاہ میں وسعت اور فکر و خیال میں فراخی پیدا ہوگی۔ اور نقد و تحقیق کی صلاحیت ابھرے گی۔ اس سلسلہ میں ابن رشد قرطبی کی "بدایۃ المجتہد" کی عظمت شان اور قدر و قیمت سے کسے انکار ہوگا! پوری کتاب نہ سہی کچھ ابواب بھی پڑھا دیئے جائیں تو مسائل میں فقہی جزئیات پر قناعت کی بجائے ان کی بنیاد و اساس کو سامنے رکھ کر سوچنے کا ذوق پیدا کرے گا۔

**طریق تعلیم**

لیکن مسئلہ کتاب سے زیادہ کتاب پڑھانے کے اسلوب و منہج کا ہے۔ اساتذہ کا ذوق اور ان کی محنت اصل میں طلبہ کے ذہن و فکر کی تعمیر کرتی۔ ذوق کو



پروان چڑھاتی۔ اور آتش شوق سلگاتی اور بھڑکاتی ہے۔ فقہ کی تعلیم میں دو بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ کتاب اور مسائل کے حل میں طلبہ کو شریک کیا جائے، کتاب کی عبارت ان سے حل کرائی جائے گاہے گاہے دلائل پر ان کو بحث کا موقع دیا جائے۔ ان سے کہا جائے کہ اس پر تنقیدی نظر سے غور کریں۔ اور رد کرنے کی کوشش کریں۔ استحسانی مسائل میں خود طلبہ سے یہ بات نکلوائی جائے کہ اس سلسلہ میں قیاس جلی اور قیاس خفی کیا ہیں اور وجہ استحسان کیا ہے؟ اس سے ان میں نقل و روایت کی بجائے مسائل کی روح پر غور کرنے اور سوچنے کا ذوق پیدا ہوگا۔

دوسری اس سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ اس دور میں جو مسائل پیدا ہو رہے ہیں، وہ بالعموم فقہاء کے قدیم اجتہادات سے کسی نہ کسی طرح تعلق رکھتے ہیں۔ تو جہاں ایسے مسائل آئیں جن سے موجودہ زمانہ کے کسی نو پید مسئلہ کا تعلق ہو۔ تو وہاں خصوصی اہتمام اور شرح و بسط کے ساتھ اس پر بھی روشنی ڈالیں جیسے: ربا کے تحت بنک انٹرسٹ کا، قمار کے تحت انشورنس کا، بیع کے تحت موجودہ زمانہ کی تجارت کی بہت سی نت نئی شکلوں کا، جہاد و سیر کے ابواب میں ہندوستان کی شرعی حیثیت کا، بیع صرف کے ذیل میں زر کی حقیقت اور زر اصطلاحی اور فی زمانہ مروج کرنسی نوٹوں کا۔ اگر اسی بیدار مغزی اور چوکسی کے ساتھ تعلیم دی جائے تو طلبہ مسائل عصر سے بے بہرہ نہ رہ پائیں گے۔ مگر ہر مدرس سے اس کی توقع رکھنا مشکل ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ مدرسین کے لئے ایک ایسی "کلید" مرتب کی جائے جو ان کی رہنمائی کرتی ہو کہ ان کو کسی نصابی کتاب کے کس مسئلہ کے ذیل کن نئے مسائل پر بحث کرتی ہے اور کیا کرتی ہے؟ ممکن ہے اس طرح اس دشواری کا حل نکل سکے۔

ہمارے موجودہ طرز تدریس میں علوم شرعیہ میں مختلف فنون کی تعلیم کے لئے یکساں انداز اختیار کیا جاتا ہے۔ مثلاً حدیث کے درس اور فقہ کے درس میں کوئی اجنبی شخص بیٹھے تو کم ہی فرق کر پائے۔ فقہ کے درس کا بھی یہی حال ہے ابواب و فصول کے درمیان باہمی ارتباط کی بحث، مصنف سے کہیں تسامح ہو گیا ہے تو اس کے لئے ہزار تکلف، تاویل و توجیہ، گویا یہ بھی کوئی کلام اللہ اور کلام رسول ہے کہ اس سے دین و شریعت پر حرف آجائیگا ـــ بس

طرح کی بحثوں کی بجائے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر فقہی باب کو پڑھانے سے پہلے اس باب فقہی سے متعلق فقہ کے بنیادی ضوابط و قواعد طلبہ کو بتا دئے جائیں تاکہ طلبہ کے لئے تطبیق میں آسانی ہو۔ اس مقصد کے لئے بھی مدرسین کو کلید فراہم کرنی ہوگی۔ اس کے لئے شیخ عزادی کی "الفرائد البہیہ فی القواعد الفقہیہ" بڑی عمدہ چیز ہے جو ابواب فقہیہ کی ترتیب سے مرتب کی گئی ہے۔

## جدید فنون کی مبادیات

فقہ جیسا کہ عرض کیا گیا محض کوئی نظری اور خیالی فن نہیں ہے بلکہ وہ انسان کی عملی زندگی سے مکمل طور پر مربوط و ہم رشتہ ہے اس لئے زندگی کے نت نئے تجربات اور انسانی زندگی پر اثر انداز افکار و خیالات سے آگہی ضروری ہے اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ معاشیات، سیاسیات، جغرافیہ، جنرل سائنس، عالمی قانون کی مبادیات پر مشتمل کتابیں مرتب کی جائیں اور مختلف جماعتوں میں اس طرح ان مضامین کو پڑھا دیا جائے کہ دوسرے مضامین کی تعلیم متاثر نہ ہو۔ منطق اور فلسفہ کی کتابوں میں تخفیف کرکے بسہولت اس کی گنجائش فراہم کی جا سکتی ہے۔

غور کیجئے کہ جو شخص زر کی حقیقت سے واقف نہ ہو وہ سکوں کی فقہی جہت کیونکر متعین کرسکتا ہے؟ جو بین الاقوامی قوانین سے آگاہ نہ ہو وہ مسلم اور غیر مسلم ممالک کے تعلقات اور ان کی شرعی حیثیت پر کیا بحث کرسکتا ہے؟ جو ملک کے دستور و آئین سے بے خبر ہو وہ کس طرح ہندوستان کے دار الحرب اور دار الامن ہونے کا فیصلہ کرسکتا ہے؟ اسی طرح کے بے شمار مسائل ہیں جو ان جدید فنون کے جاننے پر موقوف ہیں۔

## اصول فقہ

فقہ سے متعلق دوسرا اہم فن اصول فقہ ہے۔ اصول فقہ میں بنیادی طور پر تین بحثیں ہیں، ایک ادلہ شرعیہ کی حقیقت، یہ ادلہ شرعیہ دو قسم کی ہیں، ایک بنیادی یعنی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع اور قیاس۔ دوسری ضمنی جیسے استحسان مصالح مرسلہ، عرف و عادات، استصحاب حال، سد ذرائع وغیرہ ——— دوسری بحث ادلہ شرعیہ کے طریق ثبوت کی ہے یہ بحث کتاب اللہ و سنت رسول ﷺ سے متعلق ہے اور خصوصیت سے سنت رسول ﷺ سے۔ طریق ثبوت سے مراد یہ ہے کہ فقیہ تک پہونچنے والا



نص کا ذریعہ کس درجہ کمزور یا قوی اور معتبر یا نامعتبر ہے۔ اسی ذیل میں خبر واحد، خبر مشہور وغیرہ کی بحثیں آتی ہیں۔

تیسری بحث دلالت کی ہے نصوص جن معنوں پر دلالت کرتے ہیں وہ بالکل بے غبار اور واضح ہے یا ان میں ایک سے زائد معنوں کی گنجائش ہے، یعنی وہ دلالت کے اعتبار سے قطعی ہیں یا ظنی؟ اسی کی تعیین پر حکم مرتب ہوتا ہے۔

عام طور پر اس موضوع پر ہمارے نصاب تعلیم میں تین کتابیں داخل ہیں۔ اصول الشاشی، نور الانوار اور حسامی۔ اصول الشاشی میں زیادہ تر بحث "دلالت الفاظ" سے متعلق ہے ضمنی مصادر شریعت سے تو کوئی بحث ہی نہیں کی گئی ہے۔ خود قیاس کی بحث بھی برائے نام ہے، نور الانوار "منار" کی شرح ہے اور کتاب میں شرح مضامین کے ساتھ ساتھ شرح الفاظ و تراکیب بھی کی گئی ہے۔ اور اس میں اس درجہ افراط سے کام لیا گیا ہے کہ بعض مقامات پر لفظی بحثیں بہت طول پکڑ گئی ہیں، تعبیر میں حشو و زوائد ہے۔ اور زیادہ توجہ تفریعات اور ممکنہ شبہات اور ان کے جوابات پر مبذول ہے، ان وجوہ سے کتاب بہت طویل ہوگئی ہے۔ اور سال بھر میں کتاب اللہ کا حصہ بھی مکمل نہیں ہو پاتا ہے۔ عام طور پر جتنی کتاب ہو پاتی ہے اگر تفریعات اور مثالوں کو الگ کر لیا جائے تو بمشکل اصول فقہ کے دس بارہ قواعد طلبہ سال بھر میں پڑھ لیتے ہیں

تیسری کتاب حسامی ہے یہ بڑا عمدہ متن ہے مسائل کا کافی احاطہ ہے اور حنفیہ کے طریقہ پر مرتب اصول ہیں۔ قیاس وغیرہ کی بحث شرح و بسط کے ساتھ آگئی ہے۔ لیکن اختصار اس درجہ ہے کہ بہت سے مقامات پر ایجاز اغلاق کی سرحد سے جا ملتا ہے جس کے نتیجے میں صحیح طریقے پر کتاب مکمل نہیں ہو پاتی۔

ضرورت اس بات کی ہے، اصول الشاشی سے پہلے اصول کی بنیادی اصطلاحات اور تعریفات پر مبنی ایک مختصر رسالہ پڑھا دیا جائے۔ جیسا کہ مرقات سے پہلے تیسیر المنطق یا المنطق پڑھائی جاتی ہے یہ رسالہ عربی میں بھی ہو سکتا ہے اور طلبہ کی مادری زبان میں بھی کیونکہ اصول الشاشی میں ابتدا ہی طریق دلالت کی ایسی بحثوں سے ہوتی ہے جو نسبتاً غامض بھی ہیں، اور فقہاء کے درمیان

اختلاف فیہ بھی۔ اس سے طلباء کے ذہن پر بوجھ پڑتا ہے اور وہ کماحقہ مسائل کا ادراک نہیں کر پاتے مثلاً اصول الشاشی کے شروع میں یہ بحث ہے کہ کتاب اللہ کا عام قطعی ہوتا ہے لہذا خبر واحد کے ذریعہ اس پر زیادتی نہیں کی جاسکتی۔ طلباء صرف اسی قدر یاد کر لیتے ہیں۔ وہ اس بات کو نہیں سمجھ پاتے کہ عام کے قطعی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے معنی پر دلالت کرنے کے اعتبار سے بے غبار ہوتے ہیں۔ اور جب کسی احتمال وابہام کے بغیر عام اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ محتاج بیان نہیں ہو۔ اور اب جب کہ وہ محتاج بیان نہیں ہے خبر واحد کے ذریعہ زیادتی نسخ کہلائے گی اور خبر واحد کے ذریعہ کتاب اللہ کا نسخ نہیں ہوسکتا ہے اسی لئے خبر واحد کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی نہیں کی جاسکتی یہ ایک مثال ہے ——— بہر حال اصول الشاشی کو کماحقہ سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ اس سے پہلے اصول فقہ کی اصطلاحات وتعریفات سے طلباء مانوس ہوجائیں۔

"حسامی" اصول فقہ کا ایک بہتر اور عمدہ متن ہے اور باوجود دقیق ہونے کے بہت مفید اور نافع ہے۔ البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ "حسامی" وہاں سے شروع کی جائے، جہاں سے کتاب اللہ کی بحث ختم ہوتی ہے۔ اور اخیر تک مکمل کی جائے تاکہ قیاس، استحسان، عوارض اہلیت وغیرہ کی بحثیں تفصیل سے آجائیں اس کے بعد پھر ابتدائی حصہ سے شروع کیا جائے، تاکہ اہم مباحث چھوٹنے نہ پائیں۔

"نور الانوار" کی جگہ ایک ایسی کتاب کی ضرورت ہے، جو شرح کے بجائے متن ہو، زبان سہل اور عام فہم ہو، اور اس میں تمام مکاتب فکر کے اصول یکجا ہوں، مصالح مرسلہ، سد ذرائع اور استصحاب وغیرہ کی بحثیں بھی ہوں، نیز اس میں شریعت کے مقاصد خمسہ، حفظ دین، حفظ نفس، حفظ عقل، حفظ نسل اور حفظ مال اور احکام شرعیہ کے مدارج ضروریات، حاجات اور تحسینات وغیرہ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہو، اصول فقہ کی کلامی بحثیں جیسے شریعت میں عقل کا مقام وغیرہ پر بھی بحث کی گئی ہو اور وہ احناف و شوافع کے اسلوب بیان کی جامع ہو، اس موضوع پر ماضی قریب میں بعض عرب اہل علم نے بڑا عمدہ کام کیا ہے، نصابی اعتبار سے شیخ عبدالوہاب الخلاف کی "علم اصول الفقہ" بڑی عمدہ اور اچھی کتاب ہے اور غالباً نصاب ہی کے نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے،



ترتیب بھی بڑی عمدہ ہے سب سے پہلے ادلہ شرعیہ ذکر کی گئی ہیں، پھر احکام شرعیہ کی بحث ہے اس میں حکم وضعی، و حکم تکلیفی کی اقسام، اہلیت کے اعتبار سے انسانی زندگی کے مختلف ادوار، اہلیت کے عوارض وموانع کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے، اس کے بعد دلالت الفاظ کے طریقے اور اسلوب بتائے گئے ہیں۔ اخیر میں احکام شرعیہ کے مقاصد اور مدارج کی بحث ہے اور ان کے ذیل میں بعض فقہی قواعد بھی آگئے ہیں۔ اور نسخ نیز تعارض و ترجیح کے اصول پر کتاب مکمل ہوگئی ہے۔

اس کے علاوہ تکمیل و افتاء کے درجہ کیلئے علامہ شوکانی کی "ارشاد الفحول" بھی بڑی عمدہ چیز ہے۔ اصول کا مکمل احاطہ، اصولی مسائل میں فقہاء کے اختلاف کی بکمال و تمام وضاحت، عام فہم اور سہل عبارت، طول نویسی سے گریز لیکن اغلاق سے پاک۔ واقعہ ہے کہ یہ کتاب ماضی قریب میں اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں، ایک خاص درجہ و امتیاز کی مالک ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ مصنف میں کہیں کہیں "ظاہریت" جھلکتی ہے لیکن اس میں بھی افراط نہیں ہے۔

## قواعد فقہ

فقہ سے متعلق نہایت اہم فن قواعد فقہ کا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ فن اپنے موضوع کے اعتبار سے اصول فقہ سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اصول فقہ کے ذیل میں آنے والے اکثر مباحث اصل میں عربی زبان سے تعلق رکھتے ہیں، عام و خاص، مطلق و مقید، مشترک و مؤول، استعارہ و کنایہ، ظاہر، نص، خفی، مشکل وضاحت وابہام کے اعتبار سے الفاظ کی قسمیں، حروف معانی، یہ تمام مباحث درحقیقت عربی زبان کے اسلوب و طریق تعبیر سے متعلق ہیں، لیکن "قواعد فقہ" براہ راست احکام شریعت سے تعلق رکھتے ہیں، جو شریعت کے مزاج و مذاق اور اس کے اساسی اصول و نظریات کے ترجمان ہیں، اور کتاب وسنت کی مجموعی تعلیمات سے ان کا استنباط کیا گیا ہے، اس لئے احکام شرعیہ کے مزاج کو جاننے اور سمجھنے کے لئے اس فن کی خاص اہمیت اور ضرورت ہے ——— مگر افسوس کہ اس فن نے دینی مدارس کے اصل نصاب میں کوئی جگہ نہیں پائی ہے، افتاء کے درجہ میں جیسے تیسے "الاشباہ والنظائر" کا کچھ حصہ پڑھا دیا جاتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان منتہی جماعتوں میں سے کہیں کتاب کے فن اول کو باضابطہ داخل نصاب کیا جائے، درساً سبقاً پڑھایا جائے۔ اور اگر اس میں دقت ہو تو کم سے کم مجلۃ الاحکام کے شروع میں مذکور ایک سو قواعد اچھی طرح سمجھا دیئے جائیں اور

اشتباہ سے مطالعے سے طالب علم درمیان قواعد کو منطبق کر کے بتلا دے۔ انشاء اللہ اس سے بڑا فائدہ ہوگا۔

افتاء کی دور میں قواعد فقہیہ کے ساتھ ساتھ فقہی قواعد پر مبنی جزئیات کے استخراج کا کام لیا جائے تو اس سے خود طالب علم کے اندر تطبیق اور شریعت کے عمومی قواعد اور اصول کو سامنے رکھ کر مسائل پر غور کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔

## اسرار شریعت

کسی بھی قانون اور فقہ میں محض جزئیات اور عام مقررہ اصول کو جان لینا کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کی حکمت و مصلحت باہمی ربط و انتظام اور اس کی بنیادی اور اساسی فکر کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ یہ ممکن ہے کہ شریعت کے عام اصول اور عام احکام کے مقابلہ کسی خاص مسئلہ میں شریعت کے مقصد اور مصلحت کی تکمیل کیلئے الگ راہ اختیار کی جائے۔ اہل علم نے استحسان کی بہت سی تعریفیں کی ہیں لیکن اس فقیر کا خیال ہے کہ اصل میں جہاں علت اور حکمت کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور قیاس ظاہر پر عمل کرنے کی وجہ سے شریعت کے بنیادی مقصد و منشا اور مزاج و مذاق کی رعایت نہیں ہو پاتی۔ وہاں علت پر حکمت کی ترجیح اور ظاہری قیاس سے عدول کر کے شریعت کے اصل مقصد و منشا کی تکمیل کا نام "استحسان" ہے۔ استحسان کی مثالوں کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جائیگی۔

اس مقصد کی تکمیل کے لئے اسرار شریعت سے آگہی ضروری ہے۔ افسوس کہ اس فن پر مستقل کتابیں کم لکھی گئیں ہیں۔ امام غزالی نے "احیاء العلوم" میں، اور حافظ ابن قیم نے "اعلام الموقعین" میں نیز حافظ عز الدین ابن عبد السلام نے "قواعد الاحکام" میں اس مسئلہ موضوع پر بھی گفتگو کی ہے۔ لیکن چونکہ ان کتابوں میں اسرار شریعت کا ذکر ضمنی طور پر ہوا ہے اس لئے یہ بحثیں مختصر ہیں اور یکجا نہیں ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی "حجۃ اللہ البالغہ" بے ریب اس موضوع پر اپنی مثال آپ ہے، لیکن بعض جگہ بہت ہی دقیق مضامین آگئے ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ اسرار شریعت کے فن کو جس کو ہم "فلسفہ فقہ" بھی کہہ سکتے ہیں ایک مستقل موضوع کی حیثیت سے داخل



نصاب کیا جائے۔ اختصاص و افتاء کے درجہ میں تو "حجۃ اللہ" کے منتخب ابواب پڑھائے جائیں اور اصل نصاب کیلئے مذکورہ کتابوں کو سامنے رکھ کر ایک مختصر کتاب آسان عربی زبان میں مرتب کیجائے امید ہے کہ اس سے بڑا فائدہ ہوگا۔

## نصابی کتابوں پر بعض ضروری کام

یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت ہمارے نصاب میں جو کتابیں داخل ہیں وہ اصل میں عام استفادہ کے لئے لکھی گئیں تھیں، شاید مصنف کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ رہی ہو کہ انکی یہ کتاب کبھی داخل نصاب ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ اس کو یہ قبول عام عطا فرمائیں گے۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ جیسے سلف صالحین نے شروح و حواشی کے ذریعہ ان کتابوں کی خدمت کی ہے۔ نصابی نقطہ نظر سے آج ان پر کچھ کام کیا جائے ——— اور وہ کام یہ ہے کہ ذیلی عناوین قائم کئے جائیں، فقروں کی ترقیم کی جائے، پیراگراف متعین کیا جائے، کتاب کو مضمون کے اعتبار سے دروس میں تقسیم کیا جائے۔ ہر درس کے ختم پر تمرینی سوالات تحریر کئے جائیں کتاب پر ایک نہایت مختصر اسی تعلیق لکھی جائے۔ جس میں شخصیات، کتب، مقامات اور نسبتوں پر مختصر نوٹس ہوں۔ کتاب کے شروع میں مؤلف کے حالات، کتاب کی خصوصیات موضوع کتاب کا تعارف اور اس کتاب کے طریقہ تدریس سے متعلق مختصراً صفحہ ڈیڑھ صفحہ کے نوٹس مرتب کر دیئے جائیں۔ اور کتاب کے مسائل و احکام کی مفصل فہرست بندی کر دی جائے

اگر ہماری متداول نصابی کتب پر اس طرح کا کام کیا جائے تو یہ "کار نمایاں" کارنامہ ہوگا اور اساتذہ و طلباء کو اس سے بڑا فائدہ ہوگا۔ نیز اس سے طریقہ تعلیم میں بھی مفید اور مثبت تبدیلی پیدا ہوگی۔ وما ارید الا الاصلاح [illegible]

---

بقیہ : روداد انجمن

دہلی اور جناب شمس تو ید عثمانی فلاحی صاحب جامعہ ملیہ سکریٹری یونٹ منتخب ہوئے جناب منظر عالم صاحب فلاحی برائے تبلہ باؤس اور ذاکر نگر، جناب مفید احمد صاحب برائے ابوالفضل انکلیو اور جناب امتیاز احمد صاحب فلاحی برائے ایس۔ آر۔ کے ہاسٹل اور دیانت باؤس معاون مقرر ہوئے گئے۔

# نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی کاروائیاں

اسلام کے تصورِ جنگ کے مطابق ایک صحیح اور با جواز جنگ وہ ہوتی ہے جو فی سبیل اللہ لڑی جائے۔ اس کا مقصد اللہ کے دین کو غالب کرنا اور اس کے ماننے والوں کو کفار کے ظلم وتعدی سے بچانا ہو یا مسلمانوں پر حملہ کیا گیا ہو اور وہ اپنے دفاع میں ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہو گئے ہوں۔ اس ضمن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی جنگی کارروائیوں کا جائزہ لینے اور یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ انہیں مذکورہ مقاصدِ جنگ کو ہی ملحوظ رکھا گیا۔ اس بارے میں بے حد افراط وتفریط سے کام لیا گیا ہے۔ ہمارے بعض کرمفرما اپنا سارا زورِ قلم یہ کہنے پر صرف کرتے ہیں کہ اسلام صلح وآشتی کا مذہب ہے اس کو جنگ وجدل سے کیا تعلق! لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کبھی تلوار اٹھائی تو وہ محض اپنے دفاع میں اٹھائی ہے۔ آپؐ کے تمام غزوات دفاعی لڑائیاں ہیں جو قریش نے مسلمانوں پر مسلط کر رکھی تھیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضورؐ کو ہتھیار اٹھانے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ دوسری طرف ہمارے دشمنوں کا دعویٰ یہ ہے کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں نے رہزنی کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ وہ معروف گزرگاہوں پر قریش کے تجارتی قافلوں کی تاک میں رہتے اور حملہ آور ہو کر ان کا مال لوٹتے۔ اس کے جواب میں قریش کو مجبوراً ان کو سبق سکھانے کیلئے مدینہ پر حملہ آور ہونا پڑتا۔ اگر مسلمان چین کے ساتھ مدینہ میں رہتے تو قریش کو ان کے ساتھ کوئی وجہ مخاصمت نہ تھی۔ یہ دونوں موقف قرآن سے ثابت ہوتے ہیں نہ ان واقعات سے جن کو قدیم سیرت نگاروں نے قلمبند کیا ہے۔

## قتال کا نقطہ آغاز۔ ہجرت

بالعموم اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے اور یہ صحیح بھی ہے کہ ہجرت سے پہلے اہل ایمان کو قتال کی اجازت نہیں تھی۔ مشرکین کے ظلم وتعدی کے ستائے



ہوئے مسلمان اگر ہتھیار اٹھانے کا مطالبہ کرتے تو انہیں ہاتھ روکنے، کثرت سے ذکر الٰہی کرنے، صبر واستقامت کا مظاہرہ کرنے اور خدا پر توکل کرنے کی ہدایت کی جاتی۔ پہلی مرتبہ قتال کی اجازت سورہ حج میں دی گئی جو قبیل ہجرت میں نازل ہونے والی سورہ ہے اور اس کے بعد نہ صرف یہ کہ قتال کا حکم بار بار نہایت دو ٹوک انداز میں دیا جاتا رہا بلکہ ان مسلمانوں پر سخت گرفت بھی ہوتی جن سے جنگ کے کسی معاملہ میں کوتاہی سرزد ہوتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالات میں تغیر کا سب سے بڑا عامل رسول اللہؐ کی ہجرت تھی۔ حضورؐ کے زمانہ کی جنگی کارروائیوں کے دیباچہ کی حیثیت سے ہجرت کی نوعیت کو سمجھنا ضروری ہے۔

موجودہ زمانہ میں ہجرت کو بھی اسی طرح کی نقل مکانی قرار دیا جا رہا ہے جسطرح کی نقل مکانی لوگ تعلیم حاصل کرنے یا کسب معاش کے لئے کرتے ہیں لیکن یہ بات جاننی چاہئے کہ ہجرت اس نوع کی نقل مکانی ہرگز نہیں تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت کا مرکز اپنی مرضی اور خوشی سے مکہ سے مدینہ کو منتقل فرما رہے تھے جہاں کی آب وہوا زیادہ صحت بخش تھی یا اس شہر کو مکہ سے زیادہ مرکزیت حاصل تھی اور یہاں آپؐ کی دعوت کے پھیلنے کے امکانات زیادہ تھے یا آپؐ کے ساتھی زیادہ خوشحال زندگی کی جستجو میں وہاں جانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ہجرت کوئی آسان بازی بھی نہ تھی جو نئے مذہب کے پیروؤں نے کھیلنے میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس کے برعکس ہجرت کرنا دین کی خاطر اپنے کنبہ، قبیلہ، مادرِ وطن اور املاک کو تج دینے اور اپنے آپ کو نہایت پرخطر حالات کے حوالے کر دینے کے مترادف تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ وقت گزرنے کے ساتھ رؤسائے مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے اس قدر مخالف ہو گئے تھے کہ اسکا نام سننا بھی انہیں گوارا نہ تھا۔ وہ مسلمان ہو جانے والے ہر شخص پر شدید ظلم وستم روا رکھتے۔ خدا کا نام لینے پر انتہائی وحشیانہ سزائیں دیتے جن سے معاشرے کے غلام تو کیا آزاد خاندانی لوگ بھی محفوظ نہ تھے۔ آنے والا ہر دن مسلمانوں کی آزمائشوں میں مزید اضافہ کر دیتا۔ یہی وجہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا جہاں کے حکمران کی عدل گستری کی شہرت تھی اور آخری مرحلہ میں یثرب (مدینہ) کو دار الہجرت قرار دیا جہاں کے دو بڑے قبیلوں، اوس اور خزرج، میں معتدبہ تعداد میں لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔

قرآن مجید نے ہجرت کو جن الفاظ سے تعبیر کیا ہے انہیں کفار کی تعدی اور داعیان اسلام کو ان کے گھر بار اور وطن چھوڑنے پر مجبور کرنے کا بطور خاص ذکر ہے۔

اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ (حج۔ ۴۰)

"وہ لوگ گھروں سے ناحق محض اس جرم میں نکالے گئے کہ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ اللہ ہمارا رب ہے۔"

فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی (آل عمران ۱۹

"سو جنہوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے۔"

یہ سلوک معاشرے کے بہترین آدمیوں کے ساتھ روا رکھا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قریش کے ایک اہم فرد اور مکہ کے متمول لوگوں میں سے تھے۔ وہ بھی حالات سے گھبرا کر حبشہ کو روانہ ہوئے۔ راستے میں انکی ملاقات اپنے ایک دوست ابن الدغنہ سے ہوئی۔ اس نے حضرت ابوبکرؓ کو روکا اور ہجرت کا سبب معلوم کر کے اپنے ہمراہ واپس مکہ لایا۔ اس نے قریش کو غیرت دلائی اور کہا کہ "ابوبکر جیسے لوگ نہ خود وطن چھوڑا کرتے ہیں اور نہ ایسے لوگوں کو گھروں سے نکالا جاتا ہے۔ کیا تم ایک ایسے شخص کو نکال رہے ہو جو مسکین کو مدد دیتا، صلہ رحمی کرتا، دوسروں کا بوجھ اٹھاتا، مہمان کی ضیافت کرتا اور حق ادا کرنے میں مدد دیتا ہے۔" یہ ایک ایسی حقیقت کا بیان تھا جس کا انکار قریش کے لئے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ ابن الدغنہ نے اعلان کیا کہ میں ابوبکر کا ذمہ اٹھاتا ہوں، اب وہ میری پناہ میں ہوں گے۔

جو لوگ بروقت ہجرت نہ کر سکے ان کے اوپر مشرکین نے عرصہ حیات اس قدر تنگ کر رکھا تھا کہ وہ یہ دعا کرتے کہ ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا (نساء ۷۵)

"اے ہمارے رب ہمیں اس ظالم باشندوں کی بستی سے نکال اور ہمارے لئے اپنے پاس سے ہمدرد پیدا کر اور ہمارے لئے اپنے پاس سے مددگار کھڑے کر۔"

اس دعا کے الفاظ ہی سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ ظالم کفار نے اسلام کے نام لیواؤں پر خود ان کے وطن کی زمین اس قدر تنگ کر دی تھی کہ اس کے در و دیوار انکو کاٹے کھاتے



جا رہے تھے۔ وہ اس سے اتنے بیزار تھے کہ اپنی بستی ان کو ظالموں کی بستی نظر آتی تھی اور حالات اتنے مایوس کن تھے کہ مظلوم مسلمانوں کو بظاہر نجات کی کوئی راہ سجھائی نہ دے رہی تھی۔ انہیں سارا بھروسہ صرف اللہ پر تھا کہ وہی غیب سے مدد کا کوئی دروازہ کھولے تو کھولے۔ قرآن مجید کے الفاظ میں یہ دعا مانگنے والے صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورتیں اور بچے بھی تھے جن کو ظلم کا نشانہ بنانے سے انسان کا اجتماعی ضمیر ہمیشہ نفرت کرتا رہا ہے۔

مہاجرین کیلئے یہ بات عملاً ناممکن تھی کہ وہ اپنے قبیلہ کی اکثیر یا دلے کر اپنی دولت لئے ہوئے وطن چھوڑیں۔ وہ اپنی تمام املاک چھوڑ کر نہایت غربت اور بے سروسامانی کے عالم میں مدینہ پہنچے۔ ان کی آباد کاری آسان نہ تھی۔ یہ تو انصار کا ایثار و قربانی کا جذبہ تھا جس نے مہاجرین کی ایک کثیر تعداد کو اپنی شفقت میں لے لیا اور ان کو گھر کا سا آرام بہم پہنچایا۔ ورنہ مشرکین تو مسلمانوں کو اس حال میں گھروں سے نکالتے کہ ہجرت کر کے آنے والوں کے پاس صرف اخلاص و ایمان ہی کی متاع محفوظ ہوتی۔ یہ ہے ہجرت کی ایک جھلک ہے جس کو ہمارے دشمن ایک ایسی نقل مکانی کا نام دیتے ہیں جو خود مسلمانوں نے اپنی سہولت کیلئے اختیار کر لی۔

خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو نقصان پہنچانے کیلئے قریش نے جو سازشیں کیں انکے مقاصد قرآن کے الفاظ میں لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک (تمہیں قید کر لیں یا قتل کر دیں یا شہر سے نکال باہر کریں) تھے۔ دار الندوہ میں بحث کے بعد جس تجویز پر اتفاق رائے پایا گیا وہ قتل کی تجویز تھی۔ چنانچہ اسی پر عمل درآمد کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوابگاہ کا محاصرہ کیا گیا اور جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بحفاظت وہاں سے نکال لیا تو حضورؐ کے سر کی قیمت لگا کر ہر طرف خونخوار سواروں کو دوڑایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں یثرب پہنچ گئے ورنہ قریش نے تو اپنی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ حضورؐ نے مکہ برضا و رغبت نہیں چھوڑا بلکہ آپؐ کو شہر چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔ آپؐ نے فتح مکہ کے دن بھی بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا "اے مکہ تو کتنا پاکیزہ اور مجھے کتنا محبوب ہے۔ اگر میری قوم نے مجھے یہاں سے نکال

شدید ہوتا تو میں یثرب کے سوا کسی دوسری جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔" اس جملے سے بھی حضور کی ہجرت کے اسباب واضح ہو رہے ہیں۔

وہ قریش جنہوں نے حق کی مخالفت میں سرگرمی دکھائی تھی یکایک اتنے رحم دل نہیں ہو سکتے تھے کہ وہ نچلے بیٹھ جاتے مدینہ میں اسلام کے جمتے ہوئے قدموں کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیتے اور اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرتے۔ انہوں نے یثرب کے سردار عبداللہ ابن ابی کو ایک دھمکی آمیز خط لکھا کہ "تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے۔ ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تم خود اس کے ساتھ جنگ کرو یا اس کو نکال باہر کرو ورنہ ہم اپنی پوری قوت کے ساتھ تم پر چڑھائی کریں گے۔ تمہارے قابل جنگ مردوں کو قتل کریں گے اور تمہاری عورتوں کو اپنے لئے حلال کر لیں گے۔"

مستشرقین کا معیار تحقیق یہ ہے کہ ان کے نزدیک جن قریش نے یہ مکتوب لکھا ان کے اندر مسلمانوں کی ہجرت کے بعد ان کے لئے کوئی وجہ مخاصمت موجود نہ تھی اور زیادتی یا جنگوں کا سلسلہ چلانے کے ذمہ دار صرف مسلمان تھے۔

## ہجرت کے بارے میں سنت الٰہی:

ہجرت کا سبب تو کفار کا مسلمانوں کے ساتھ عناد اور دین حق دشمنی ہوتی ہے لیکن اس کے نتائج ظاہر ہونے کیلئے اللہ کا ایک قانون موجود ہے جو ہمارے اہل تحقیق کی نظروں سے بالعموم اوجھل رہتا ہے۔ یہ معلوم ہے کہ قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، اصحاب مدین، قوم لوط، آل فرعون وغیرہ سب نے اپنے اپنے رسولوں کی تکذیب کی۔ جب ان کے تمام باصلاحیت لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو رسولوں کے ہمراہ اہل ایمان نے ہجرت کی جس کے بعد کفر پر قائم رہنے والوں کو اللہ کے عذاب نے آ لیا جس کے نتیجہ میں رسولوں کے مکذبین کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے۔ آپؐ کی بعثت خاص بنی اسماعیل کی طرف ہوئی تھی اور قریش آپؐ کے اولین مخاطب تھے۔ قریش عرب میں دین ابراہیمی کے وارث سمجھے جاتے تھے اور اسی حوالے سے وہ خانہ کعبہ کے متولی تھے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ



انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کردہ اس عبادت گاہ اور خدا کی توحید کے اس عظیم مرکز کی حرمت کو سخت بٹہ لگایا اور اسکو شرک کا مرکز بنا دیا تھا۔ طواف اور نماز کی عبادت کا انہوں نے اس طرح حلیہ بگاڑا کہ وہ مضحکہ خیز رسوم بن کر رہ گئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرہ سالہ تبلیغ کے نتیجہ میں اہل مکہ کی ایک معتد بہ تعداد مسلمان ہو گئی لیکن یہ تبلیغ قریشی سرداروں کو راہ راست پر نہ لا سکی۔ وہ نہ صرف اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے بلکہ اپنے زور و اثر کو انہوں نے اسلام لانے والوں پر ظلم و ستم ڈھانے میں استعمال کیا جس کے بعد اہل ایمان کیلئے ہجرت ناگزیر ہو گئی۔ اللہ کے قانون کے تحت اسکے بعد اہل مکہ پر عذاب نازل ہونا چاہیے تھا لیکن ہمیں یہ عذاب نازل ہوتا ہوا کہیں نظر نہیں آتا۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ قریش کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی وہ سنت بدل گئی ہو جو سابق رسولوں کی قوموں کے معاملہ میں ظاہر ہوئی البتہ اگر ان پر عذاب نازل نہیں ہوا تو اس کے خاص اسباب ہیں جن کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

ہجرت کا ایک پہلو یہ ہے کہ ایک طرف قریش نے اہل ایمان کو شہر سے نکالنے میں خاصی سرگرمی دکھائی لیکن دوسری طرف ان کو زچ کرنے اور دکھ دینے کی غرض سے ان کے بعض اعزہ کو مکہ میں روک بھی لیا۔ مثال کے طور پر ابو سلمہؓ ہجرت کر گئے لیکن انکی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہؓ کو مکہ میں روک لیا گیا اور پھر انکو دکھ دینے کیلئے انکا بچہ بھی ان سے چھین لیا گیا۔ حضرت ام سلمہؓ کو یہ ظلم سال بھر سہنا پڑا جس کے بعد کسی نے ان پر ترس کھا کر بچہ واپس دلوایا اور انکو مدینہ بھجوایا۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بیٹی حضرت زینبؓ کو ہجرت نہیں کرنے دی گئی۔ انکے شوہر ابو العاص بن ربیع جنگ بدر میں اسیر ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس شرط پر رہا کیا کہ وہ حضرت زینبؓ کو مدینہ آنے دیں گے۔ جنگ بدر کے بعد دوسرے مہینے جب وہ مکہ سے روانہ ہوئیں تو کچھ شرارتی لوگوں کو پیچھے لگا دیا گیا جن کی دہشت گردی کے باعث آپ بیمار پڑ گئیں اور آپ کو واپس مکہ لے جایا گیا۔ قریشی سرداروں نے انکے علانیہ مدینہ روانہ ہونے کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا اور بعد میں انکو چوری چھپے مکہ سے نکلنا پڑا۔ ابو جہل کے چچازاد بھائی حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ حضرت عمرؓ کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے

اور قبول کرنے کی صورت میں اس کا ساتھ دینے کے قابل تھے۔ ان سازگار حالات میں دعوت زیادہ تیزی سے پھیلی اور جلد ہی مسلمانوں کی سیاسی پوزیشن مستحکم ہو گئی۔ اس صورت حال میں مسلمانوں کے ایک ایسی قوت بننے کا امکان پیدا ہو گیا جو قریش کیساتھ ٹکرا کر ان کے غرور کو کچل سکے۔

یہ تھے وہ عوامل جن کے باعث تکذیب رسول کے باوجود قریش کو اس نوعیت کا عذاب نہیں دیا گیا جو سابقہ امتوں کو دیا گیا تھا بلکہ اس کی شکل یہ اختیار کی گئی کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کو دین کی نصرت کے لیے قتال کا حکم دیا گیا اور ان پر یہ بات واضح کر دی گئی کہ یہ قتال اس وقت تک جاری رکھا جائے گا جب تک دین اسلام عرب کے تمام ادیان پر غالب نہیں آ جاتا۔ اس قتال میں اللہ تعالیٰ کی نصرت و معیت کا خاص طور پر وعدہ فرمایا گیا۔ قتال کے ذریعے اب کی یہ شکل قریش کے متکبرین اور متمردین کا قلع قمع کرنے والی اور اپنے اندر دوسرے مخالفین کے لیے تنبیہ اور عبرت کا سامان رکھنے والی تھی۔ قریش جو اپنے طور پر مطمئن تھے کہ وہ اپنے اندر سے مسلمانوں کو نکال کر اہم کامیابی حاصل کر چکے ہیں اب وہ ایسی تدبیریں کرنے لگے جن سے مسلمانوں کی قوت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔ ان تدبیروں کے مقابلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے اقدامات کیے جن سے قریش کی اسکیموں کا توڑ کیا جاتا تھا۔ اب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقدامات کا جائزہ لیتے ہیں جو آپؐ نے قریش کا خطرہ کو دیکھتے ہوئے کیے۔

## نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاطی تدابیر

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے اطراف میں برابر اپنے مخبر بھیجتے رہتے۔ اگر کہیں سے کوئی ایسی اطلاع موصول ہوتی جس میں دشمن کی آمد کا پتہ چلتا تو آپ راتوں کو جاگ کر پہرہ کا انتظام کرتے تاکہ دشمن بے خبری میں حملہ کر کے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ اس کے باوجود ہجرت کے ایک سال بعد مکہ کے کرز بن جابر فہری نے اہل مدینہ کی ایک چراگاہ پر حملہ کر کے



مگر بعد کو ابوجہل نے مدینہ جا کر ان کی والدہ کی بیماری کی جھوٹی کہانی سنائی اور انکو اس سے ملنے پر آمادہ کیا۔ حضرت عیاشؓ ماں کی محبت میں ابوجہل کے ساتھ ہوئے لیکن اصل میں یہ اسکیم انکو قیدی بنا کر مزید ظلم کا نشانہ بنانے کے لیے تھی۔ وہ ایک عرصہ تک مکان میں ایک عرصہ تک قید رکھے گئے۔

مکہ میں کتنے ایسے لوگ ابھی باقی تھے جو حضورؐ کی دعوت سے متاثر تھے لیکن مشکلات کے باعث ہجرت کا حوصلہ نہ کر سکتے تھے۔ انہیں سے بعض لوگ بعد میں مدینہ پہونچے۔ مثلاً شوال سن ۱ھ میں قریش نے ایک لشکر جحفہ کی جانب بھیجا تو صحابہؓ کی ایک پارٹی بھی حضرت عبیدہؓ بن الحارث کے تحت وہاں گئی ہوئی تھی۔ قریش کے لشکر میں سے حضرت مقدادؓ بن عمرو اور عتبہؓ بن غزوان نے موقع غنیمت جانا اور مسلمانوں سے جا ملے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں مسلمان ہو چکے تھے لیکن ہجرت نہیں کر پائے تھے۔ سریہ عبداللہ بن جحش کی مہم میں مکہ کے دو آدمی گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے تو ان میں سے حضرت حکمؓ بن کیسان نے اسلام قبول کر لیا جو ظاہر کرتا ہے کہ وہ دل سے اس دین کی حقانیت کے پہلے سے قائل ہو چکے تھے۔ اور اب ان کو اعلان کا مناسب موقع ملا تھا۔ خود میدان بدر میں جب حضورؐ نے قریش کے لشکر پر نظر ڈالی تو آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ میں نے انکے بعض چہروں سے یہ پہچانا ہے کہ یہ لوگ مجبور کر کے ہمارے مقابلہ میں لائے گئے ہیں۔ بعد کے دور میں بھی اہل مکہ برابر مسلمان ہو ہو کر مدینہ آتے اور اسلام کی قوت بڑھنے کا ذریعہ بنتے رہے۔ ان اشارات سے معلوم ہوا کہ اہل مکہ میں ابھی صلاحیت ایمان موجود تھی۔ یہ انکے سرداروں کا بہیمانہ سلوک تھا جو لوگوں کے قبول اسلام میں مانع تھا اور جس نے اہل ایمان کو ہجرت پر مجبور کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے فوراً بعد اگر اہل مکہ پر وہی عذاب آ جاتا جو سابق رسولوں کی قوموں پر آیا تھا تو بیشمار مسلمان اور ایمان کی صلاحیت رکھنے والے کفار بھی اس کا لقمہ بن جاتے۔ یہ صورت حال سنت الٰہی کے خلاف ہوتی۔

ہجرت کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ نئی جگہ پر مسلمانوں کی تمام تر قوت کو مجتمع ہونے کا موقع ملا اور اس علاقے کے لوگ حضورؐ کی دعوت کے معاملے میں زیادہ آزادی سے رائے قائم کرنے

تین میل کے فاصلے پر واقع تھی، حملہ کیا اور کئی جانوروں کو ہانک کر لے گیا۔ آنحضرتؐ نے اس کا تعاقب کیا لیکن اس کو پا نہ سکے۔

۲۔ حضورؐ نے مدینہ اور اطراف مدینہ کے تمام باشندوں بشمول یہود کے قبائل خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان کے ساتھ وہ معاہدہ کیا جو میثاق مدینہ کے نام سے معروف ہے اس میں بطور خاص حسب ذیل شرائط رکھی گئیں۔

(الف) کوئی شخص قریش مکہ اور ان کے کسی حلیف کو پناہ نہیں دے گا۔

(ب) اگر یثرب پر کوئی حملہ ہوا تو مسلمان اور یہود مل کر دفاع کریں گے۔

(ج) اگر مسلمان کسی سے صلح کریں گے تو یہود بھی اس صلح کے پابند ہوں گے اور اگر یہود کسی سے صلح کریں گے تو مسلمانوں پر بھی لازم ہوگا کہ یہود کے ساتھ ایسا ہی تعاون کریں۔ البتہ کسی فریق کی مذہبی جنگ دوسرے فریق پر تعاون کی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔

(د) اگر کسی فریق یا جماعت کو کسی جنگی ضرورت سے مدینہ سے باہر جانا پڑا تو وہ امن و حفاظت کا حق رکھے گی، اور جو مدینہ میں رہے گا اس کے لئے بھی امن ہوگا، نہ کسی پر ظلم کیا جائے گا اور نہ کسی کیلئے عہد شکنی جائز ہوگی۔

معاہدہ کی ان شقوں پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی مخاصمت اور اس کے نتیجہ میں انکی طرف سے مدینہ پر حملہ کا اندیشہ تھا۔ آپ نے یہود قبائل کو بھی فریق معاہدہ بنایا تاکہ وہ قریش کے آلہ کار بن کر مار آستین ثابت نہ ہوں۔

۳۔ مکہ کے راستے میں پڑنے والے قبائل کے ساتھ آپ نے حلیفانہ معاہدے کر لئے۔ ان قبائل میں جہینہ، بنو ضمرہ اور بنو مدلج شامل ہیں۔ یہ قبائل پہلے مدینہ کے قبائل اوس و خزرج کے حلیف تھے۔ اہل مدینہ میں اسلام کے نفوذ نے ان قبائل کے ساتھ معاہدات کی راہ ہموار کر دی جن میں حسب ذیل شقیں رکھی گئیں۔

الف۔ اہل قبیلہ کا جان و مال محفوظ و مامون ہوگا۔

ب۔ ان پر اگر کوئی زیادتی کرے گا یا حملہ آور ہوگا تو اس کے مقابلہ میں انکی مدد کی جائیگی

ج۔ جو زیادتی یا جنگ انکے اپنے لوگوں کے درمیان یا انکے مذہبی معاملات سے متعلق



ہوگی اس میں امداد دینا لازم نہ ہوگا۔

مذکورہ تینوں قبائل کے ساتھ یہ معاہدے ہجرت کے پہلے سال کے دوران غزوہ بدر سے کئی ماہ پہلے طے پائے۔ انکی تکمیل کیلئے حضورؐ صحابہ کی ڈیڑھ دو سو تعداد کیساتھ ان قبائل کے پاس تشریف لے گئے۔ اگرچہ بعض راوی یہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر سے قبل کسی مہم میں انصار شامل نہیں تھے۔ لیکن حضورؐ کی ان مہمات کی تعداد اور اوس و خزرج کی ان قبائل کے ساتھ نوعیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ انصار ان مہمات میں حضورؐ کے ساتھ رہے ہوں۔ سیرت نگاروں نے ان سفروں کو غزوہ کا نام دیا ہے اور یہ غزوہ بواط، غزوہ ابوا اور غزوہ ذوالعشیرہ کے نام سے موسوم ہیں حالانکہ نہ ان کے لئے وہ تیاری کی گئی جو کسی جنگی مہم کے لئے ضروری ہوتی ہے اور نہ حضورؐ نے ان میں کوئی جنگی اقدام کیا۔ جب بواط پہنچے تو قریش کا ایک تجارتی کارواں امیہ بن خلف کی سربراہی میں وہاں سے گزر رہا تھا۔ اسی طرح جب ذوالعشیرہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ کچھ ہی پہلے ایک قریشی کارواں ابو سفیان کی سربراہی میں وہاں سے گزرا ہے۔ مستشرقین کا دعویٰ ہے کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں نے رہزنی کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ اگر یہ بات تھی تو آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں مواقع سے کیوں فائدہ نہ اٹھایا جبکہ آپ کے ہمراہ جاں نثاروں کی اچھی خاصی تعداد اس مقصد کیلئے بڑی کامیابی سے کارروائی کر سکتی تھی۔ تجارتی کاروانوں کو پا لینا اور پھر ان پر ہاتھ نہ اٹھانا تو یہ ثابت کرتا ہے جیسے یہ واقعات اس الزام کی تردید کے لئے پیش آئے ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں سفر سیاسی نوعیت کے تھے۔ جن میں ایسے قبائل کیساتھ دوستی کے معاہدے کرنا مقصود تھا جن کے علاقے قریش کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کی صورت میں پڑتے تھے۔ اگر یہ بات فرض کر لی جائے کہ حضورؐ قریش کے تجارتی کارروائی کی نقل و حرکت سے باخبر رہتے تھے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ قبائل کے ساتھ معاہدہ کیلئے حضورؐ نے وقت کا جو انتخاب کیا اس سے قریش کو اپنی بیداری کا احساس دلانا، اور مسلمانوں کی قوت سے مرعوب کرنا بھی مقصود تھا۔ ان سفروں میں صحابہ کی بڑی بڑی جمعیتوں کو ساتھ لیکر چلنے کا ایک مقصد انکو علاقے سے واقف کرانا اور آئندہ

مراحل میں پیش آنے والے جنگی سفروں کے لیے تربیت دینا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ وہی مقصد ہے جس کیلئے آج فوجی مشقیں کی جاتی ہیں۔

۲۔ غزوۂ بدر سے پہلے حضورؐ نے وقتاً فوقتاً صحابہ کی مختصر پارٹیوں کو بھی مختلف جہات میں بھیجا۔ ان مہمات کو سریہ کا نام دیا گیا ہے۔

ہجرت کے ساتویں ماہ آپ نے اپنے چچا حضرت حمزہؓ کی سرکردگی میں تیس افراد کی ایک پارٹی ساحل سمندر کی طرف قبیلہ جہینہ کے علاقہ میں روانہ کی۔ وہاں اس کا سامنا قریش کے تین سو سواروں کے ساتھ ہو گیا۔ اس بات کا امکان پیدا ہو گیا کہ دونوں فریقوں میں تصادم ہو جائے مگر جہینہ کے سردار مجدی بن عمرو نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ملی تو آپ نے مجدی کی کوششوں کی تحسین فرمایا۔ اس موقع پر تین سو سواروں پر مشتمل قریشی دستے کا مقصد سیاسی یا فوجی تو ہو سکتا ہے، تجارتی نہیں ہو سکتا۔ نیز سریہ کا مقصد اگر قریش کے ساتھ جھڑپ ہوتا تو حضورؐ مجدی کی کوششوں کی تعریف نہ کرتے۔

شوال ۱ھ میں حضورؐ نے ساٹھ افراد کی ایک پارٹی اپنے چچا زاد بھائی حضرت عبیدہؓ بن الحارث کے تحت جحفہ کی جانب بھیجی جو مکہ اور بدر کے درمیان ایک مقام ہے۔ اسکا سامنا قریش کے ایک لشکر سے ہوا جو دو سو افراد پر مشتمل تھا۔ لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ قریش کی بڑی تعداد یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ کسی تجارتی مقصد سے سفر نہیں کر رہے تھے ورنہ اتنی نفری نہ ہوتی۔ تجارتی قافلوں میں بالعموم بار برداری کے جانور زیادہ ہوتے اور ساتھ چالیس پچاس افراد پر مشتمل محافظوں کا دستہ چلا کرتا تھا۔

ذی قعدہ ۱ھ میں بیس صحابہ پر مشتمل ایک جماعت حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی کمان میں جحفہ کے قریب خرار کے مقام تک آئی اور پھر مدینہ واپس چلی گئی۔

ان مہمات کا مقصد اگر تجارتی قافلوں کو لوٹنا ہوتا جیسا کہ مورخین الزام دیتے ہیں تو ہمیں اس طرح کی کوئی ایک کارروائی تو سامنے آتی۔ صحابہ کیسے رہزن تھے کہ اتنے طویل سفر کرتے، قریش سے سامنا بھی ہو جاتا پھر بھی ان پر ہاتھ نہ اٹھاتے۔ اصل میں ان مہمات کا مقصد رہزنی تھا ہی نہیں۔ یہ مہمات قریش کی شرارتوں کا کھوج لگانے اور انکی نقل و حرکت



پر نظر رکھنے کے لیے تھیں۔ نیز قریش کو یہ پیغام دینا مقصود تھا کہ مسلمان اپنے دفاع میں غافل نہیں ہیں۔

سریہ عبداللہ بن جحشؓ — رجب ۲ھ میں پہلا سریہ ایسا پیش آیا جس میں کشت و خون ہوا۔ اس سریہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو مقرر کیا جو آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ انکے تحت آٹھ مہاجرین تھے۔ انکو حکم دیا گیا تھا کہ وہ حرم مکہ کی حدود کے باہر شمال مشرق میں واقع مقام نخلہ میں کیمپ لگائیں اور قریش کے بارے میں اطلاعات فراہم کریں۔ انھوں نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ اتفاق سے طائف کی طرف آنے والے قریش کے ایک مختصر تجارتی قافلے نے بے خبری میں عین انکے قریب پڑاؤ کیا۔ صورت حال ایسی پیش آئی کہ دونوں جانب سے ہتھیاروں کا استعمال ہوا جس کے نتیجہ میں قریشی قافلے کا سربراہ عمرو بن الحضرمی جو رئیس مکہ حرب بن امیہ کے حلیف عبداللہ الحضرمی کا بیٹا تھا قتل ہو گیا۔ اور دو نوجوان عثمان بن عبداللہ بن المغیرہ (خالد بن ولید کا چچا زاد بھائی) اور الحکم بن کیسان گرفتار کر لیے گئے۔ عثمان کا بھائی نوفل مکہ کو بھاگ گیا اور قریش کو اس حادثہ کی خبر کی۔ حضرت عبداللہ بن جحشؓ دو اسیروں اور مال غنیمت کو لئے ہوئے مدینہ جا پہنچے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کارروائی پر کبیدہ خاطر ہوئے کیونکہ یہ کارروائی تفویض کردہ کام کی حدود سے باہر تھی۔

اس سریہ کے واقعات نے مستشرقین کو زبان طعن دراز کرنے کا موقع دیا ہے کیونکہ اسی مہم میں وہ صحابہ کو رہزنی کے الزام میں ملوث کرنے کی واحد دلیل پاتے ہیں۔ اور ثابت کرتے ہیں کہ مال لوٹنے کی اسی طمع نے آگے چل کر جنگ بدر کے اسباب فراہم کیے۔ ہمارے نزدیک اس سریہ کا مقصد خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کر دیا تھا کہ گھات لگا کر قریش کے بارے میں معلومات فراہم کی جائیں۔ جیسے بھی کوئی مسلمان حضورؐ کی ان ہدایات کی خلاف ورزی کی جسارت نہ کر سکتا تھا۔ پھر قابل غور بات یہ ہے کہ مدینہ میں اپنے مستقر سے سینکڑوں میل دور اپنے دشمن کے مرکز کے بالکل قریب گنتی کے چند مسلمان قافلے کو لوٹنے کا خطرہ کیسے مول لے سکتے تھے۔ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ مسلمانوں کی پارٹی جن افراد پر مشتمل تھی یہ مکہ والوں کے قرابت دار تھے۔ مشرکین کے لئے انکی شکلیں اجنبی تھیں نہ انکے خیالات

وعقائد کے بارے میں کوئی غلط فہمی تھی۔ لہٰذا زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اول تو مشرکین نے اپنی طاقت اور قرب مکہ کے زعم میں ان مسلمانوں کے ساتھ جھڑپ لے لی ہوگی جس میں وہ اپنا نقصان کرا بیٹھے۔ یا پھر مسلمانوں نے اپنے مخبری ہو جانے کے باعث اپنے لیے خطرہ محسوس کیا اور ان پر قافلہ پر حملہ کر کے قریش کو اطلاع ہونے کا امکان ختم کرنا چاہا۔ بہرحال اس جھڑپ کے اسباب کچھ بھی رہے ہوں نتائج کے اعتبار سے یہ نہایت اہم رہی۔

اہل مکہ کے ساتھ جھڑپ کا یہ واقعہ رجب کی آخری تاریخ کو پیش آیا۔ ابن کثیر کی تحقیق کے مطابق تحویل قبلہ کا حکم بھی رجب ہی میں نازل ہوا تھا۔ اس حکم میں خانہ کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا گیا اور متنبہ کیا گیا تھا کہ اس اعلان کے بعد انکی مشکلات میں اضافہ ہوگا۔ حالات ان سے بڑی قربانیوں کا تقاضا کریں گے اور خدا کے گھر کو مشرکوں کے قبضہ سے چھڑانے کیلئے جنگیں ناگزیر ہوں گی۔ عین ممکن ہے کہ قبلہ کے بارے میں اس اعلان سے پیدا شدہ صورت حال پر قریش کا ردعمل معلوم کرنے کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سریہ عبداللہ بن جحش کے شرکا کو حرم مکہ کے بالکل پاس جا کر کیمپ لگانے کا حکم دیا ہو۔ وہ ابھی اس کا انتظام کر ہی رہے ہوں کہ دشمن کے ایک تجارتی قافلہ کی اچانک آمد نے ان کو ایک مختلف صورت حال سے دوچار کر دیا ہو اور وہ واقعات پیش آئے ہوں جن کا تذکرہ اوپر ہوا۔

---

## غزل

م اے شمسی روہڑوی

سوزشِ زخم تری صورت نہیں دیکھی جاتی
مجھ سے اب درد کی شدت نہیں دیکھی جاتی

میں بھی خوددار رہوں میں نے یہ چاہا تو بہت
زندگی تیری اذیت نہیں دیکھی جاتی

اپنی بیکسی کی تمناؤں کا خوں تو کر دوں
اپنے بچوں کی حیثیت نہیں دیکھی جاتی

شہر کا شہر نظر آتا ہے مقتل کی طرح
اب کسی شہر کی حالت نہیں دیکھی جاتی

بے سبب تو نہیں ہوتا ہے مخالف کوئی
انکو اردو کی حلاوت نہیں دیکھی جاتی

اب تو احباب بھی دشمن کی طرح ملتے ہیں
انکو شمسی مری شہرت نہیں دیکھی جاتی



لکھ رہا ہوں جنوں میں کیا کیا — ابواللسان تقوی کے قلم سے

# وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

آخرکار حافظ شوال اور میاں اچھن میں وہی کچھ ہوا جو نہیں ہونا چاہیے تھا یعنی کہ جوتے چپلوں اور لات گھونسوں کا دھواں دھار تبادلہ۔ آخر مسلسل پانچ گھنٹے سے باہم گرما گرمی، ضدم ضدی اور آپسی چپقلش و طرم خانی کا نتیجہ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ بات بس ذرا سی تھی اور وہ یہ کہ ان میں سے ہر ایک کا یہ دعویٰ اور اصرار تھا کہ اس کا بکرا مدمقابل کے بکرے سے زیادہ بھرتو اور وزنی ہے ـــــ یہ کوئی بہت پرانا نہیں ابھی پچھلے سال کا واقعہ ہے ـــــ

اور حادثے کے معاً بعد حسب دستور حافظ شوال تھوڑا سا سوجا ہے خاکسار کے پاس آدھمکے ـــــ ایسے مواقع پر قدرتی شکست انہیں کی ہوتی ہے۔ کیا کریں کچھ تقدیر ہی ایسی پائی ہے۔ اگلے ساڑھے چار دانت بری طرح شہید، ناک بھیانک طور پر لہولہان، پیشانی پر آڑی ترچھی گہری خراشوں کی بے شمار سلوٹیں، کان کی ایک لو مسلم طور پر غائب اور بائیں آنکھ میں میاں اچھن کے دس پاؤنڈ والے مضبوط مکے کا ایک حسین پرتو یعنی کہ ایک خطرناک خونی سرخی۔ خیر بہت بہت کرم ہوا جبار پیا کا ورنہ تو پوری آنکھ ہی صاف تھی ـــــ خیر ـــــ خیر خیریت کے بعد انہوں نے پناہ عاجزانہ بیان کیا "یار تقوی بھائی! اس میاں فقیر کی اولاد مردود اچھن کو تو جلد ہی کے مقدمے میں پھنسا کر حوالات بھجوا دو ـــــ اور ہاں کوئی نہ کوئی تدبیر لگا کر اس صورت حرام کے اس مردود بکرے کو بھی دسویں تاریخ آنے سے پہلے پہلے ہی اڑوا دو ـــــ پیسہ جتنا بھی لگے پروا مت کرو بس کام ہو جانا چاہیے" ـــــ پاگل روٹی کی طرح سوجے ہوئے اپنے مظلوم ہونٹ پر زبان پھیرتے ہوئے پھر گویا ہوئے "او مرد دست یہ گڈی رکھ لو۔ پورے دس ہزار کیا۔ بس کام آج ہی سے چالو کر دو" ـــــ اور پھر میں نے بھی خوب خوب گل کھلائے ـــــ

البتہ اس سال کیا حال ہے مجھے نہیں معلوم پر اتنی بھنک ضرور ملی ہے کہ حافظ شوال اسی کلوگرام

کا ایک بھاری بھرکم بکرا بذریعہ ٹرانسپورٹ بمبئی سے منگا رہے ہیں جبکہ اسی نگر کا میاں آں اچھن کا بکرا کلکتہ سے آ رہا ہے۔ نیز یہاں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ کار خیر کی اس دوڑ میں اس بار پہلی بار صوفی قندیل نے بھی چھلانگ لگائی ہے ان کا بکرا بذریعہ کوچین ایکسپریس مدراس سے تشریف لا رہا ہے لطف کی بات یہ ہے کہ اس کی پیٹھ پر کٹے کٹے الفاظ میں لا الٰہ الا اللہ بھی لکھا ہے ——— خیر یہ تو کل کی باتیں ہیں اور کل کس نے دیکھا ہے؟

سر دست کہنے کی بات یہ ہے کہ ——— ذبح کرنے کی رسم حد درجہ قدیم ہے، مگر کتنی قدیم ہے؟ تو اس بارے میں عرض ہے کہ اللہ اعلم بالصواب یعنی کہ اللہ بہتر جاننے والا ہے۔ احقر پابیچ مدان اپنے ناقص علم کی بنیاد پر اتنا لکھنے کی جسارت ضرور کرے گا کہ ذبح کرنے کی رسم نوع انسانی کے وجود سے ہی وابستہ ہے وہ یوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو پیدا فرمانے کے بعد جنت میں رکھا اور حکم دیا "وکلا منہا رغدا حیث شئتما" یعنی کہ "اور تم دونوں جنت میں ڈالے تلے کھاؤ جہاں سے پاؤ" تو بین السطور بلکہ بتقاضائے النص سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ جنت میں گوشت کا انتظام رہا ہوگا یا پھر یوں کہئے کہ وہ جنت ہی کیسی جس میں گوشت کا انتظام ہی نہ ہو اور پھر یہ کہ جو چاہو کھاؤ جہاں سے پاؤ، اس مفہوم میں بھی گوشت کا وجود صاف صاف عیاں ہے۔ اب رہی بات ذبح کرنے کی تو سو بار میرے ہاتھ کانوں تک کہ جنت میں بغیر ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت!؟ العیاذ باللہ یعنی کہ نعوذ باللہ ——— ماہر علوم اسرار، استاذ بزرگوار جناب علامہ گیسو دراز دامت برکاتہم کے سامنے جب ہم نے یہ استدلال پیش کیا تو وہ میز و کرسی کی پروا کئے بغیر اپنے شاگرد رشید کے تعقب پر مارے خوشی کے اتنی تیز اچھلے کہ افسوس ان کے کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی پر خوشی کا پھوارہ ہنوز ان کے رخ پرنور سے برس رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں شفاء کاملہ عاجلہ عطا فرمائے آمین ——— ایک استاد وہ بھی ہیں لاکھوں میں ایک جبکہ عام اساتذہ کی حالت یہ ہے کہ اگر کہیں ان کے کسی شاگرد نے ان سے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو وہ اس کی ٹانگ اس تیزی سے جھٹکتے ہیں کہ وہ بیچارہ مظلوم آخری ہچکیاں تک لینے کی توفیق نہیں پاتا۔

جانور ذبح کرنا بھی بڑے دل گردے کا کام ہے خاص طور سے جب جانور قربانی کا ہو



بعض لوگ تو ایک مرغ ذبح ہوتے ہوئے دیکھ کے اور وہ خود مرغ بسمل کی طرح ہچکیاں لینے لگتے ہیں اور کتنے ایسے ہیں جو محض خون کا پھوارہ ہی دیکھ کر غشی کھانے کے لئے ایسا لہراتے ہیں جیسے انہوں نے خواب آور گولیاں چبائی ہوں خود حافظ شوال کا بھی حال ہے ——— بکرا ذبح ہوتے وقت کبھی پاس نہیں کھڑے ہوتے مبادا دل سینے سے باہر نہ کود جائے ——— ایک بار وہ بُرے پھنسے ——— کسی مفتی نے انہیں یہ فتویٰ دے مارا کہ اگر بکرے والا خود اپنے ہاتھ سے بکرا ذبح نہ کرے تو وہ اس کے نام قربان نہیں ہوتا! وہ بہت پریشان ہوئے۔ بڑے کشمکش و پیچ میں پڑے، امید و بیم کی تصویر بن کر رہ گئے تھے وہ۔ عالم خیال میں "اپنی چھری کو بکرے کی گردن پر سوار" کے محض تصور ہی سے جھٹکے پر جھٹکے لیتے ادھر بکرے کو اپنی جانب سوموم ہوتا نہ دیکھ کر دل انتھاہ تاریکیوں میں بیٹھتا محسوس ہوتا ——— خیر مرتے کیا نہ کرتے، دل پر پتھر رکھ کر ذبح کرنے پر کمر کسے ہی رہی عافیت بھی ——— وقت موعود آ دھمکا۔ بعد نماز عید حافظ شوال اپنے کمرے میں آیۃ الکرسی پر ——— آیۃ الکرسی پڑھتے نظر آئے ——— بڑی مشکل سے انہیں مذبح تک لایا گیا ——— حافظ شوال نے اپنی قوتوں کو مجتمع کیا اور بڑے ہی عزم و ہمت اور حوصلے کے ساتھ ہاتھ میں چھری لی ——— بکرا پہلے ہی پچھاڑا جا چکا تھا۔ انہوں نے سوچا کیوں نہ ایک ہی بلے میں گردن تن سے جدا کر دیں ——— اب جو انہوں نے آنکھیں بند کر کے چھری پھیری شروع کی تو لوگوں کے شور نے انہیں چونکا یا دیکھتے کیا ہیں کہ بکرے کی گردن کے بجائے اس کے اگلے دونوں دست کٹ رہے ہیں۔ ہمت جواب دینے لگی۔ پھر بھی انہوں نے بمشکل تمام بکرے کی گردن پر چھری رکھی۔ پچھوارہ چھوٹتے ہی ان کے اوسان بھی چھوٹ گئے۔ غشی کھا کر پیچھے دھڑام سے آ رہے۔ اب لوگوں نے بکرے کو چھوڑ کر حافظ شوال کو ہاتھوں ہاتھ لیا ——— اُدھر نیم جان بکرا موت و حیات کی کشمکش جھیلتا اور دولاتی سے گذرتا سیدھے حفظن کے کمرے میں جا گھسا۔ بلڈ پریشر کی مریض بیچاری حفظن نے جو بکرے کو اس حالت میں دیکھا تو اتنی بھیانک چیخیں ماریں کہ الاماں والحفیظ! اور پھر وہ بھی حافظ شوال کی برابری کرنے بلڈ پریشر کے دورے پر چلی گئیں۔

قربانی کا بکرا کیسا ہو؟ یہ موضوع بھی بہت نازک ہے۔ سیکڑوں لوگ میرے پاس آ چکے ——— جب کہ میں کوئی مفتی نہیں ——— کہ یار نغوی بھائی! میرے بکرے کی قربانی ہو گی

یا نہیں؟ ایسا ہے نا کہ اس کی بائیں سینگ پڑوسی کی بکری کے ساتھ طاقت آزمائی میں ٹوٹ گئی ـــ ایک صاحب یوں گویا ہوئے۔ ارے بھائی صاحب اب کیا ہوگا شام کو بکرا اچھا بھلا تھا صبح اٹھتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کا ایک کان ہی کترا ہوا ہے ـــ ایک بزرگ تشریف لائے اور یوں فرمانے لگے۔ ارے میرے بچے لغوی بابو! ابھی کل پتہ چلا ہے کہ میرے بکرے نے اپنے بچپن میں ایک کتیا کا دودھ پی لیا تھا اب کیا ہوگا؟ ابھی کل شام ایک بڑی بی آئی تھیں ان کا کہنا تھا کہ میں ایک بکری کی قربانی کرنا چاہتی ہوں اس کے پیٹ میں بچے بھی ہیں پڑوس کی عورتوں نے کہا کہ لغوی سے پوچھ آؤ تو ایسا نہ ہو کہ کچھ دھوکہ ہو جائے ـــ غرض جتنے آدمی اتنی باتیں ـــ اب بیچارہ مسکین لغوی کس کس کی بات سنے اور کس کس کے سوال کا جواب دے ـــ سوچتا ہوں کہ گھر ہی چھوڑ کر کہیں بھاگ جاؤں کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری ـــ پر کیا کروں مجبور ہوں گاؤں کی جماعت اسلامی کے مقامی امیر ہے ـــ اپنی جماعت پر پابندی لگنے کے باوجود بھی وہ کہتے ہیں "لغوی گھبراؤ مت، یہ بھی دین کا کام ہے بلکہ عبادت ہے" ـــ ہمدردی ان لوگوں نے عبادت کی تعریف کرتے کرتے ـــ ایک دن کہنے لگے کسی غریب کو کھانا کھلا دینا، پڑوسی کی مدد کر دینا حتیٰ کہ اہل و عیال کے لئے ہل جوتنا اور بیوی بچوں کو پالنا بھی عبادت ہے ـــ عجیب کھوپڑی کے لوگ ہیں یہ! جب کہ میں نے سنا اور پڑھا تھا کہ عبادت صرف مسجد ہی میں ہو سکتی ہے بقول کسے ؎

مسجد خدا کا گھر ہے عبادت کا کام ہے
دنیا کی بات کرنا سراسر حرام ہے

بکرے کے دانت کی بحث بھی عجیب بحث ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خواہ بکرا دانتا یا نہ دانتے قربان ہو سکتا ہے۔ جبکہ کچھ دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ بکرے کا دانتا ضروری ہے ـــ اچھے اچھے علماء کرام کو میں نے اس معاملے میں لڑتے دیکھا ـــ پر علماء کرام کا کیا! انہیں تو بس صرف فتویٰ دینے سے مطلب، مگر شامت تو بیچارے ان غریب بیوپاریوں کی ہوتی ہے جن کی سالانہ آمدنی کا دار و مدار ہی قربانی کے بکروں پر ہے ـــ ہمارے محلے میں ایک نہایت ہی متقی پرہیزگار اور صاحب ریش و دستار بیوپاری ہیں یا چاٹن ٹن ـــ میں ان کے گھر میں آتا جاتا ہوں۔ بیچارے وہ بھی مجھے بہت مانتے ہیں ـــ ایک دن میں ان کے گھر میں جا پہنچا تو دیکھتا



کیا ہوں کہ وہ سیل کا بتاتے بکروں کے دانت توڑ رہے ہیں۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی پہلے تو جھینکے پھر ہنسی کر بولے "ہی ہی ہی لغوی بابو ہی ہی ہی ادھر آؤ ایسا ہے نا ہی ہی ایسا کرنا ہی پڑتا ہے بھائی یہ لو پان کھاؤ، لیکن ہاں ہی ہی کسی سے کہنا مت" اور انہوں نے منع کرنے کے باوجود بھی پچاس کا نوٹ میری جیب میں ٹھونس دیا۔

میرے ملنے جلنے والوں میں ایک کمیونسٹ مسلمان کامریڈ لینن کمال گرہست صاحب ہیں۔ الحمدللہ اچھی خاصی شاعری بھی کر لیتے ہیں۔ شعر گوئی کی دنیا میں انہیں سرقہ کرنے کی مذموم عادت ماں کے شکم ہی سے ہے۔ نقل کیا جاتا ہے کہ ولادت با سعادت کے موقع ہی پر وہ حضرت لینن کی مدح و ثنا میں زمین و آسمان کی قلابیں ملاتے ہوئے اس عالم فانی میں قدم رنجہ ہوئے تھے ـــ ایک دن وہ میرے پاس آتے ہی یوں چہکے ـــ لغوی صاحب عرض کیا ہے بلکہ آپ کے مولویانہ مذہب پر تنقید کے تعلق سے پیش ہے ؎

عجیب رسم میں نے دیکھی کہ بروز عید قرباں
وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

میں نے کہا کمال صاحب! عقل کے ناخن لیجئے۔ آپ بھی تو مسلمان ہیں۔ اس طرح کی باتیں ایک مسلم کی زبان اچھی نہیں لگتیں نیز یہ شعر تو بہت قدیم ہے۔ اسے آپ اپنی جانب منسوب کر رہے ہیں؟ وہ بولے یار پھر وہی ملا ٹٹ پونجی کی باتیں کرنے لگے میں پہلے کمیونسٹ ہوں پھر مسلمان ہوں اور رہی بات شعر کے قدیم ہونے کی تو میرے خیالات اور میرے پیشرو شاعر کے خیالات کا حد درجہ یکسانیت کے ساتھ لفظ بلفظ شعر کے قالب میں ڈھل جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ایسے اتفاقی حادثات تو ہوتے ہی رہتے ہیں ـــ خیر ـــ تو یہ بات میرے حلق سے کسی طور نہیں اترتی کہ قربانی کرنے والا خود ذبح بھی کرے اور الٹا ثواب بھی لے ـــ میں نے عرض کیا "مردود! تمہارا حلق تو شراب، سود اور سور اتارنے کے لئے بنا ہے تو یہ اسلام کی نورانی حقیقت تمہارے حلق سے کیسے اترے گی ـــ میرے اس جملے پر وہ ناراض ہونے کے بجائے مارے فخر کے ایسا جھومے کہ دنیا یا ڈش دیکھ کر کوئی مینڈک بھی کیا جھوما ہوگا۔

بہت بھر کے اس کالم میں کیا کیا مباحث اور مسائل زیر تحریر لائے جائیں ـــ اب دیکھئے نا، ابھی مضمون نہ سٹارٹ ہی لیا تھا کہ کالم کے صفحات چلانے لگے اور جب صفحات

بقیہ ص ۷۰

ابو سفیان اصلاحی
علی گڑھ

# قدرت اللہ شہاب ___ ولی اور ادیب

ابن انشاء، جمیل الدین عالی، ممتاز مفتی، اشفاق احمد اور بانو قدسیہ کے دوست اور غلام محمد، اسکندر مرزا اور جنرل محمد ایوب کی مجالس کی رونق قدرت اللہ شہاب (م ۱۹۸۶ء) کی شخصیت علمی دنیا کے لئے تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ وہ جہاں ایک طرف صدر ایوب کے لئے خضر راہ اور پاکستان کے کامیاب سفیر ثابت ہوئے وہیں انہوں نے اپنے اسلوب تحریر سے اردو دنیا میں ایک اضافہ بھی کیا۔ قدرت اللہ شہاب ایک نمایاں بیورو کریٹ اور عظیم انشا پرداز ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ کے ایک برگزیدہ بندہ اور صاحب تقوی انسان بھی تھے۔ ممتاز مفتی نے اپنی مشہور رپورتاژ "لبیک" میں قدرت اللہ شہاب کے جو واقعات بیان کئے ہیں ان سے تو یہی لگتا ہے کہ وہ ایک ولی تھے۔ ممتاز مفتی نے اپنے ایک مضمون میں مشفق خواجہ کی ایک بات کو نقل کرتے ہوئے اس پر بڑی دلچسپ روشنی ڈالی ہے۔

مشفق خواجہ نے اپنے ایک مضمون میں کیا پتے کی بات کہی ہے "قدرت اللہ شہاب مرحوم میں بے شمار خوبیاں تھیں عیب صرف دو تھے اشفاق احمد اور ممتاز مفتی"

مشفق خواجہ کی بات بالکل درست ہے، سوال یہ ہے کہ قدرت نے یہ عیب کیوں پالے۔ اشفاق احمد کے بارے میں تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ ممتاز مفتی کو پالنے کی دو وجوہات ہو سکتی تھیں۔

ایک یہ کہ قدرت ذات کا دھوبی تھا۔ راہ چلتے چلتے اسے ایک چکٹ میلا کپڑا نظر آیا۔ اس نے اسے اٹھا لیا اور پھر زندگی بھر اسے دھو دھو کر اجالنے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔ ۲۰ سال صابون اور میل کے درمیان جنگ جاری رہی آخر صابون جھاگ جھاگ ہو کر بہہ گیا۔

ممتاز مفتی۔ قدرت اللہ شہاب اللہ کا...، نقوش۔ شمارہ ۱۳۶۔ دسمبر ۱۹۸۶ء ادارہ فروغ اردو لاہور صفحہ [illegible]

ممتاز مفتی۔ لبیک۔ بار دوم۔ حسامی بک ڈپو، مچھلی کمان حیدرآباد ۱۹۸۷ء، صفحہ ۳۱۹



قدرت اللہ شہاب نے بے شمار افسانوں کے ساتھ (۱) یا خدا (۲) ماں جی (۳) اور شہاب نامہ تصنیف کئے۔ ان تینوں میں سے کسی ایک پر ہی شہاب لکھنا بند کر دیتے پھر بھی اردو ادب میں اپنے منفرد اسلوب بیان کی وجہ سے امر ہو جاتے۔

"یا خدا" میں شہاب نے تقسیم ہند کے دلدوز مناظر اپنے لفظوں میں بیان کئے ہیں۔ چونکہ تقسیم ہند کا مشاہدہ انہوں نے خود کیا تھا اور ظلم و بربریت کی انتہاؤں کو خود دیکھا تھا یہی وجہ ہے کہ ان کی اس تحریر کو پڑھتے ہوئے آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ "یا خدا" ناولٹ شہاب نے ایک ہی نشست میں قلم برداشتہ لکھ ڈالا۔ یہ ناولٹ پہلی بار جون ۱۹۴۸ء میں کراچی سے شائع ہوا۔ محمد حسن عسکری اور ابو الفضل صدیقی وغیرہ نے اس ناولٹ کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا۔ ابو الفضل صدیقی نے بیدی، کرشن چندر اور عصمت چغتائی کی افسانہ نگاری پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا کہ "قدرت اللہ شہاب ۱۹۴۷ء کے بعد کا ایک بہت بڑا بت شکن ہے جس نے اپنے افسانوں سے صرف چونکایا ہی نہیں بلکہ بتوں اور پجاریوں کی صفوں میں ایک عجیب انتشار سا بھی پیدا کر دیا ہے۔ اس کا آخری افسانہ "یا خدا" تو اس منزل کا سنگ میل ہے، جہاں پہونچ کر نہیں نہ معلوم کتنے لات و منات اور فنی پجاریوں کی تلملاہٹ محسوس ہوتی ہے۔"

اس ناولٹ میں شہاب نے کراچی میں قائم ہونے والے مہاجر کیمپوں کا اپنا جائزہ پیش کیا ہے، انہوں نے خود تمام مردوں اور عورتوں کی درد بھری داستانیں سنیں اور انہیں الفاظ کی شکل دیکر صفحات پر سجا دیئے، جنہیں پڑھنے کے بعد قاری ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔

قدرت اللہ شہاب کی دوسری تصنیف "ماں جی" ہے جسے انہوں نے ۱۹۶۷ء میں تصنیف کیا۔ اس کتاب میں اپنی ماں جی کا افسانوی انداز میں خاکہ پیش کیا ہے، اس کو پڑھنے سے ایک نیک اور دیندار ماں اور فرمانبردار بیٹے کی تصویر سامنے آتی ہے۔ شہاب کا ننھیال چونکہ بہت غریب تھا اس تنگ دستی نے اس خاندان کو حالات روزگار کے بہت سے تھپیڑوں کو برداشت کرنا پڑا، انہی نشیب و فراز کو شہاب نے

قدرت اللہ شہاب۔ شہاب نامہ۔ بار چہارم ۱۹۸۹ء سنگ میل پبلی کیشنز لاہور صفحہ ۲۲۵-۲۲۶

[illegible] جو بیان کیا ہے اسکو پڑھنے والے پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ یہ افسانہ بھی شہاب نے دو تین گھنٹوں میں ٹپ ٹپ آنسو گراتے ہوئے مکمل کر لیا۔

اردو کے مشہور ناقد افسانہ نگار اور ناول نگار مرزا ادیب کا اس افسانہ کے متعلق کیا خیال ہے ملاحظہ کریں۔

"شہاب بنیادی طور پر افسانہ نگار ہیں۔ انکے افسانوں کی تعداد چالیس پچاس سے آگے نہیں بڑھتی لیکن ماں جی لکھ کر تو انہوں نے ایک ایسا مقام حاصل کر لیا ہے جو گردش شام و سحر کے درمیان پہلے بھی بہت نمایاں تھا اور آج بھی اسکی اس قابل رشک حیثیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس افسانے کو نہ جانے میں نے کتنی مرتبہ پڑھا ہے اور ہر بار اسکی پر اسرار مقناطیسی کیفیت میرے دل و دماغ پر چھا گئی اور چھائی ہوئی ہے"[1]

اس افسانہ میں شہاب نے اپنی ماں جی کے بچپن کے حالات، انکی عادات اور انکے علیگ والد محترم عبداللہ پر روشنی ڈالی ہے۔ اس چھوٹے سے افسانے میں ایسی پُر تاثیر کیفیت پیدا کر دی ہے کہ آخر تک پہنچتے پہنچتے آنکھیں لہو لہان ہو جاتی ہیں۔ بالخصوص ماں جی کے گیارہ پیسے کا مسجد کے چراغ میں مٹی کے تیل ڈلوانے والی عادت کو بڑے درد بھرے لہجے میں بیان کیا ہے۔ شہاب کہتے ہیں۔

"ماں جی کی سہیلیوں نے انہیں گھیر لیا، اور ہر ایک نے چھیڑ چھیڑ کر ان سے پانچ پانچ روپئے وصول کئے۔ عبداللہ صاحب نے ماں جی کو بھی بہت سے روپے پیش کئے لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ جب اصرار بہت بڑھ گیا تو مجبوراً ماں جی نے گیارہ پیسے کی فرمائش کی۔

"اتنے بڑے میلے میں گیارہ پیسے لے کر کیا کرو گی؟" عبداللہ صاحب نے پوچھا۔ "اگلی جمعرات کو آپ کے نام سے مسجد میں تیل ڈلوا دوں گی" ماں جی نے جواب دیا۔ زندگی کے میلے میں بھی عبداللہ صاحب کے ساتھ ماں جی کا لین دین صرف جمعرات کے گیارہ پیسوں تک ہی محدود رہا۔ اس سے زیادہ رقم نہ کبھی انہوں نے مانگی نہ اپنے پاس رکھی"[2]

اس افسانہ کا اختتام ان لفظوں پر کیا۔ "اگر ماں جی کے نام خیرات کی جائے تو گیارہ پیسے سے

---

۱؎ شہاب نامہ ص ۹۵۴   ۲؎ ایضاً ص ۳۷۳



آگے ہمت نہیں بڑھتی لیکن مسجد کا ملا پریشان ہے کہ بجلی کا ریٹ بڑھ گیا ہے اور تیل کی قیمت گراں ہو گئی

ماں جی کے نام فاتحہ دی جائے تو مکئی کی روٹی اور نمک مرچ کی چٹنی سامنے آتی ہے۔ لیکن کھانے والا درویش کہتا ہے کہ فاتحہ درود میں تو پلاؤ اور زردے کا اہتمام لازم ہے

ماں جی کا نام آتا ہے تو بے اختیار رونے کو جی چاہتا ہے لیکن اگر رو دیا جائے تو ڈر لگتا ہے کہ انکی روح کو تکلیف نہ پہنچے اور اگر ضبط کیا جائے تو خدا کی قسم ضبط نہیں ہوتا۔"[1]

افسانوں کی دنیا میں یہ افسانہ ایک اضافہ ہے۔ اگرچہ بات اور واردات قلب کو افسانوی رنگ دیا جائے۔ تو اس میں تاثیر زیادہ ہوتی ہے۔ یہ افسانہ شہاب کی دلی کیفیات پر مبنی ہے۔ انہوں نے اس میں اپنی ماں جی سے تعلق خاطر کو بیان کیا ہے۔ اس میں کہیں سے آورد کا احساس نہیں ہوتا۔ یہ انکے دل کی آواز ہے۔

"یا خدایا" اور "ماں جی" کے بعد قدرت اللہ شہاب کے "شہاب نامہ" کا جائزہ لیں۔ یہ انکی خود نوشت سوانح حیات ہے۔ جسے زندگی کے آخری ایام میں ابن انشا رکے پر ترتیب ایام لکھا پہلی بار ۱۹۸۶ء میں منظر عام پر آئی۔ اب تک اس کے متعدد ایڈیشن آ چکے ہیں یہ کتاب ۱۱۸۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ کہنے کو تو خود نوشت ہے لیکن تاریخی اور ادبی حیثیت سے دیکھا جائے تو ان میں بھی اسے ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس میں کشمیر کی تاریخ، تقسیم ہند سے قبل کے بھاگلپور کے فساد و قیام پاکستان، مہاجرین کے آلام و مصائب؛ گورنر غلام محمد، جنرل ایوب خاں اور پاکستان کے مستقبل جیسے موضوعات پر بڑے تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، ضمناً ذوالفقار علی بھٹو کا ذکر آ گیا ہے۔ اس کتاب میں صدر ایوب کے دور اقتدار کا بھرپور جائزہ لیتے ہوئے بتایا گیا کہ انہوں نے صحافت، ادب، تعلیم، معیشت اور خارجہ پالیسی میں کیا رول ادا کئے۔ جہاں ایک طرف انہوں نے انکی خوبیوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہیں انہوں نے خامیوں کی طرف بھی اشارہ کیا اور جب بھی انہوں نے کوئی غیر اسلامی اقدام کیا تو قدرت اللہ شہاب نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔

---

۱؎ شہاب نامہ ص ۳۷۴

ایک بار صدر ایوب نے جب یہ طے کیا کہ "اسلامک ری پبلک آف پاکستان" سے "اسلامک" کا لفظ نکال دیا جائے۔ تو اس پر شہاب نے یہاں تک احتجاج کیا کہ اگر آپ اس لفظ کو نکال رہے ہیں جس کے لئے ہزاروں جانیں گئی ہیں تو یہ میرا استعفیٰ قبول کیجیے۔ شہاب کے اس رد عمل کو صدر ایوب نے شدت سے محسوس کیا اور اپنے فیصلہ کو واپس لیا۔[1]

شہاب کو صدر ایوب کی جو بھی بات اسلام کے خلاف نظر آئی اس پر ضرور ٹوکتے۔ صدر ایوب نے شہاب کی اس بے باکی کی طرف اشارہ یوں کیا "Shahab must you Through a brick on my head every time I speak" (جب بھی میں بات کرتا ہوں آپ میرے سر پر پتھر دے مارتے ہیں) مثلاً کابینہ میں پھانسی کی سزا میں پٹیشن کی بات ہو رہی تھی، صدر نے کہا حق رحم کی آخری اپیل میرے پاس ہوگی، قدرت بولا جناب آخری اپیل آپ کے پاس نہیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہوگی۔ صدر بولے وہ تو ظاہر ہے، اسے کہنے کی کیا ضرورت ہے، شہاب نے کہا جناب اسے کہنے کی اشد ضرورت ہے، بار بار کہنے کی ضرورت ہے آواز بلند کہنے کی ضرورت ہے ورنہ انسان یہ اہم ترین حقیقت بھول جاتا ہے۔[2]

یہ کتاب زبان و بیان کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے، اپنے ذاتی واقعات اور تاریخی و ادبی موضوعات کو اس قدر دلچسپ انداز میں بیان کیا کہ ۱۱۸۱ صفحات پڑھ جائیے اور اکتاہٹ محسوس نہیں ہوگی۔ آغاز سے اختتام تک ایک تسلسل ہے، ختم کرنے کے بعد طبیعت سیر نہیں ہوتی انداز تحریر دوبارہ مطالعہ پر مجبور کرتا ہے۔ اس کتاب میں جا بجا خوبصورت مقام آئے ہیں انہیں میں سے چند چیزیں آپ کے لئے پیش کرتے ہیں۔

شہاب نے اپنے آبائی وطن چمکور (پنجاب) کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ "سکھوں کی قطار تھی جو نہر کی طرف نشست کئے ایک دوسرے سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بیٹھے تھے اور سر جھکا کر بڑے خشوع و خضوع سے بر سر عام رفع حاجت فرما رہے تھے، جب کشتی انکے قریب پہونچی تو چند سکھ جوان ہماری طرف منھ کرکے لنگ دھڑنگ کھڑے ہو گئے اور منھ بگڑے لا لا کر بڑے فخر سے اپنے پوشیدہ علم الابدان کی تشریح کرنے لگے

[1] شہاب نامہ ص ۱۰۷-۲-۷ ۔ [2] نقوش دسمبر ۱۹۸۶ء ص ۳۹۱



کشتی میں سوار عورتوں نے اپنے چہرے دوپٹوں سے ڈھانپ لئے اور مرد کھانس کھانس کر ایک دوسرے سے کھسیانی کھسیانی باتیں کرنے لگے، ملاح سب مسلمان تھے، ایک نوجوان کو جوش آیا تو اس نے بھی اپنا تہبند اٹھا کر سکھوں کو ترکی بہ ترکی جواب دینے کا ارادہ کیا لیکن عمر رسیدہ ملاح نے ڈانٹ ڈپٹ کر اسے بٹھا دیا۔ جب کشتی ان کے سامنے سے گزری تو سکھ جوان بھی نہر کی جانب پیٹھ کرکے بیٹھ گئے اور از سر نو فطرت سے ہم کلامی میں مصروف ہو گئے"[1]

اوپر کے اقتباس سے بخوبی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ موقع و محل کی عکاسی شہاب بڑے فصیح و بلیغ انداز میں کرتے، وہ موقع کی نزاکت اور شدت کو منظر عام پر لانے میں ماہر تھے، ایک مرتبہ جب اسکول جانے کے سلسلے میں کریم بخش نے انہیں طمانچہ رسید کیا تو ان پر کیا گزری انکے اپنے الفاظ میں ملاحظہ کریں۔

"کریم بخش نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور میرے منھ پر زناٹے سے ایسا کرارا تھپڑ مارا کہ میرے سر میں بھڑوں کے بیشمار چھتے بھنبھنا اٹھے۔ دوسرا تھپڑ لگنے سے پہلے میں نے کریم بخش کا حکم مان لیا اور اپنی جان کی قسم بھی کھا لی۔"[2]

نیچے ایک اقتباس دیکھئے جس میں سکھوں کی زود خوراکی کی طرف کتنے اچھے انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

"لنگر سے وہ آپس میں شرطیں لگا کر چنے کی دال کھا تھے بیس بیس تیس تیس چپاتیاں کھا کر آئے تھے، اب رضائی میں لیٹ کر اگر ایک ترٹکا ڈکار لیتا تھا تو باقی سب بھی اس کے مقابلے میں زور زور سے ڈکارتے تھے۔ اگر ایک ترکے سے باد شکم کا جھونکا سرزد ہوتا تھا تو دیگر کل بآواز بلند اس کا ساتھ دیتے تھے۔"

آج کی سیاسی دنیا میں اسمبلی اور پارلیمنٹ کے بہت سے مسلم حکمران نے بہت سے ایسے کارنامے انجام دیئے کہ جن کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ لیکن سیکولر ہندوستان میں اپنی کرسی کو مستحکم بنانے کیلئے انکے نزدیک سب کچھ جائز ہے، انہی میں سے ایک مندروں میں جا کر دیوی دیوتاؤں کے سامنے عقیدت سے کھڑا ہونا اور ان کے پیروں کو چھونا ہے۔

[1] شہاب نامہ ص ۵۵ [2] ایضاً ص ۸۷

جب جموں پہاڑ پر "دیشنو دیوی" کا میلا لگا تو شیخ محمد عبداللہ صاحب وہاں جا کر کیا کارنامہ انجام دیا قدرت اللہ شہاب کی زبانی سنئے۔

"دیوی ماتا کے چرن چھوئے اور اس کے پاؤں کا دھوون پی کر اپنی وزارت اعلیٰ کو آب حیات کا انجکشن دیا۔ شیخ صاحب کی سیاست بلاشبہ پلاسٹی سین کی ہم صفت تھی"[1]

یہ بات پیچھے آچکی ہے کہ قدرت اللہ شہاب ایک متقی اور خدا ترس انسان تھے، خداترسی کے ساتھ ساتھ علم و ادب میں بھی ایک مقام بنایا ۱۹۴۱ء میں آئی۔سی۔ایس کے امتحان میں کامیاب ہوئے[2]

آئی۔سی۔ایس کے فارم میں ایک خانہ امیدوار کے مشاغل کے لئے تھا جس میں قدرت نے یہ لکھا تھا کہ مجھے مذاہب عالم کے تقابلی مطالعہ کا شوق ہے[3]۔ انٹرویو بورڈ کے ایک فرد او۔ ڈبلیو۔ ہارٹشن نے یہ دیکھ کر سوال کیا "کہ تم نے مذاہب عالم کا مطالعہ اسلامی آنکھ سے کیا ہے یا انسانی آنکھ سے؟ قدرت اللہ کہتے ہیں۔

"اس سوال کا سیدھا سادہ جواب دینے کے بجائے میں نے جوش تبلیغ میں ایک چھوٹی سی تقریر جھاڑ دی کہ جو لوگ اسلامی آنکھ اور انسانی آنکھ میں کوئی فرق روا رکھتے ہیں وہ دراصل بڑی شدید گمراہی میں مبتلا ہیں"[4]

آئی۔سی۔ایس میں زیادہ تر اس وقت انگریز اور ہندو ہوا کرتے تھے اس لئے اس عہدے سے قدرت کی طبیعت بیزار ہی رہی۔ اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"ہاؤس کا یہ بان میرے لئے ایک اجنبی وادی تھا اور آئی۔سی۔ایس کے امیدوار صحبت ناجنس سول سروس میں داخل ہوا چھبیس اٹھائیس سال گزارنے کے باوجود سول سروس والوں کے ساتھ یہ احساس اجنبیت اور ناجنسیت ہمیشہ میرے ساتھ ہی ساتھ رہا۔ سول سروس کے تالاب میں نہ میں مچھلی بن سکا نہ مگرمچھ۔ زیادہ سے زیادہ میری حیثیت ایک کاغذی ناؤ کی سی رہی جیسے کوئی شوخ بچہ سطح آب پر چھوڑ کر خود گھر جا بیٹھا ہو"[5]

قحط بنگال سے دنیا بخوبی واقف ہے۔ اس وقت بنگال پر جو قیامت برپا ہوئی اسے

[1] شہاب نامہ ص ۱۰۱ [2] ایضاً ص ۱۱۲ [3] ایضاً ص ۱۲۲ [4] ایضاً ص ۱۴۱ [5] ایضاً ص ۱۴۱ - ۱۴۲



لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ دن بدن فاقہ اور افلاس سے تنگ آ کر لوگ موت کے آغوش میں جا بیٹھے۔ اس قیامت نے قدرت کے جذبہ انسانیت کو ایسا جھنجھوڑا کہ وہ انسانیت کی خدمت کے لئے سہسرام سے بنگال گئے۔ انکے بیان کردہ ایک واقعہ سے اس وقت کی شناعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

"راحیل خونڈکر جھونپڑی کے دروازے میں بے حس و حرکت پڑا تھا۔ وہ ابھی مرا نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو موم بتی کے پگھلتے ہوئے قطروں کی طرح ڈھلکے ہوئے تھے اور ایک گیدڑ اس کے پاؤں کی ایڑی پر دانت گاڑے پھر پھر منہ مار رہا تھا۔ راحیل کی ٹانگوں میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ گیدڑ کے منہ سے اپنا پاؤں کھینچ لے"[1]

قدرت اللہ جس وقت کٹک میں اپنی ملازمت کے فرائض انجام دے رہے تھے تو اس دوران انکے ساتھ جو حادثہ پیش آیا اس سے عربی کی اعجازی خصوصیت سامنے آتی ہے۔ ان کے پاس ایک جاپانی سے چلنے والا گراموفون تھا۔ انہوں نے جب کٹک میں ملنے والے نئے مکان میں کا ایک گانا سننے کے لئے ریکارڈ لگا کر جب چابی دی تو سیدھے کے بجائے الٹے چلنے لگے اور سہگل کے علی الرغم حشرات الارض سنائی دینے لگے۔ اس دوران انہوں نے گراموفون پر عربی زبان میں کلمہ طیبہ لکھ کر رکھ دیا۔ دیکھا تھا کہ سہگل چل پڑے۔ اگر اسے اٹھاتے تو حشرات الارض اپنا کام شروع کر دیتے۔ انہوں نے کلمہ طیبہ کا کئی دوسری زبانوں میں ترجمہ کر کے یہ کرشمہ دیکھنا چاہا لیکن ترجمے سے سہگل زندہ نہ ہوتے۔ یہ تاثیر عربی زبان میں لکھے کلمہ طیبہ میں صرف تھی[2]

شہاب نامہ میں قدرت اللہ شہاب کے قوت مشاہدہ کا پورا استقراء سامنے آجاتا ہے: انہوں نے آئی۔سی۔ایس کی ذہنیت کی عکاسی کرتے ہوئے تمام آفیسران کو ان کے حقیقی روپ میں پیش کر دیا ہے "پاکستان بننے کے بعد بھی انڈین سول سروس کا جادو ہمارے سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ہم آئی۔سی۔ایس کے تین حروف بھارت پر چھوڑ کر پاکستان آگئے ہیں لیکن رسی تو جل گئی تھی پر بل نہیں نکلا تھا۔ یہاں پر کئی حضرات اپنے تعارف میں [illegible] آئی۔سی۔ایس کا دم چھلا لگانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ ایک صاحب نے اپنے دفتر اور گھر پر

[1] شہاب نامہ ص ۲۱۳ [2] ایضاً ص ۲۶۷

جو نیم پلیٹیں لگوائی تھیں ان پر اپنے نام کے ساتھ آئی۔ سی۔ ایس لکھوا کر ان تین حروف پر ایک ہلکی سی لکیر تاکہ ان کا جوبن اور بھی نکھار آئے۔"[1]

قدرت اللہ شہاب نے اس کتاب میں بہت سے ایسے واقعات تحریر کئے ہیں جن سے انکی ایمانداری اور عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ انہوں نے جھنگ میں اپنی تقرری کے دوران ایک بڑھیا کا واقعہ درج کیا ہے جو حد درجہ مفلس تھی، وہ تھوڑی سی کچھ زمین اپنے نام منتقل کروانا چاہتی تھی لیکن وہ رشوت کے بغیر منتقل کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ وہ بڑھیا شہاب کے پاس جسے وہ اپنی کار میں بٹھا کر اس کے گاؤں چل پڑے۔ جب اس کا کام ہو گیا تو اس کا اس پر کیا ردعمل ہوا شہاب کے الفاظ میں پڑھیے۔

"نمبردار نے جب اس بات کی تصدیق کی تو بڑھیا کی آنکھوں سے بے اختیار خوشی کے آنسو بہنے لگے۔ اس کے دوپٹے کے ایک کونے میں کچھ ریزگاری بندھی ہوئی تھی اس نے اسے کھول کر سولہ آنے گن کر اپنی مٹھی میں لئے اور اپنی دانست میں دوسروں کی نظر بچا کر چپکے سے میری جیب میں ڈال دیئے۔ اس ادائے معصومانہ اور محبوبانہ پر مجھے بے اختیار رونا آ گیا یہ دیکھ کر گاؤں کے کئی دوسرے بوڑھے بھی آبدیدہ ہو گئے۔

یہ سولہ آنے واحد "رشوت" ہے جو میں نے اپنی ساری ملازمت کے دوران قبول کی۔ اگر مجھے سونے کا ایک پورا پہاڑ بھی مل جاتا تو میری نظر میں ان سولہ آنوں کے سامنے اس کی کوئی قدر وقیمت نہ ہوتی۔ میں نے ان آنوں کو ابھی تک خرچ نہیں کیا۔ کیونکہ میرا گمان ہے کہ یہ ایک ایسا متبرک تحفہ ہے جس نے مجھے ہمیشہ کے لئے مالا مال کر دیا ہے"[2]

قدرت اللہ شہاب نے آج کی اس وبا کی طرف اشارہ کیا جو بالعموم مختلف ٹیڑوں، لباس، چیزوں اور جائے نماز وغیرہ پر آیات یورپ سے لکھکر مسلم ممالک میں آتی ہیں۔ یہ انہوں نے مقدس کتاب کی بے حرمتی کا اچھا ذریعہ تلاش کیا ہے۔ بہتیرے مسلمان بھی آج کل ایسے کپڑے وغیرہ استعمال کرتے ہیں جن پر آیات لکھی ہوتی ہیں۔ شہاب کو جب ایک انگریز عورت نے ایک ایسا لاکٹ دیا جس پر "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا اس کے جواب میں انہوں

---

۱؎ شہاب نامہ ص ۴۱۹ ۲؎ ایضاً ص ۵۰۹



نے کہا کہ "پہلے کلمہ طیبہ سے ایمان کی شمع روشن ہوتی تھی۔ اب اس کی مدد سے سگریٹ سلگائے جاتے ہیں"[1]

عالمی پیمانے پر انگریزی کی اہمیت و افادیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ مختلف علوم و فنون سے انگریزی زبان گرانبار ہے لیکن اس انگریزی کا سہارا لیکر خواہ اسے انگریزی کے چند الفاظ ہی کیوں نہ یاد ہوں وہ خود کو "میں شمار کرنے لگتا ہے۔ ہمارے ہند و پاک میں یہ خبط زیادہ ہی ہے۔ شہاب نے حج کے سلسلے میں مصر میں ایک بار انگریزی میں درخواست لکھی تو مصری افسر نے کہا کہ پاکستانی ہو کر کیوں انگریزی میں درخواست لکھتے ہیں۔ تو شہاب نے جواب دیا

"میں نے معذرت کی کہ مجھے عربی نہیں آتی اس لئے درخواست انگریزی میں لکھنا پڑا"

"آپ کی اپنی زبان کیا ہے" افسر نے پوچھا

"اردو" میں نے جواب دیا

"پھر انگریزی کے ساتھ آپ کا کیا رشتہ ہے"؟ افسر نے طنزیہ پوچھا۔

میرے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ میں یہ تسلیم کر دوں کہ انگریزی کے ساتھ میرا فقط غلامی کا رشتہ ہے"[2]

اوپر کے اقتباسات سے پوری طرح واضح ہو گئی کہ شہاب کو اپنی بات کو پیش کرنے کا کس قدر سلیقہ ہے کبھی کبھی وہ صرف ایک لفظ اور ایک ترکیب سے پوری داستان بیان کر دیتے۔ جب انہیں کچھ دنوں گورنر جنرل ملک غلام محمد کے ماتحت کام کرنا پڑا جس پر فالج کا زبردست حملہ ہوا تھا۔ اسی حملے میں انکی زبان ایسا متاثر ہوئی کہ انکی بات سمجھ میں نہ آتی۔ اپنی اس ماتحتی کا تعارف ان لفظوں میں کرایا۔

"میں نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولنا چاہا تو چیف منسٹر نے آنکھ مار کر مجھے چپ کرا دیا اس طرح سربراہ مملکت سے میرا پہلا انٹرویو ختم ہوا اور میں لگے تو برس کے لئے اس بیت الجن میں مقید ہو گیا"[3]

اس "بیت الجن" کے بعد آئیے دیکھیں کہ وہ جمہوریت کے متعلق کیا فرماتے ہیں

---

۱؎ شہاب نامہ ص ۵۷۰ ۲؎ ایضاً ص ۵۰۲ ۳؎ ایضاً ص ۶۲۱

"جمہوریت بڑی غیرت مند اور حاسد دلہن ہے۔ اس کے اوپر سوکن کا سایہ بھی پڑ جائے تو یہ گھر بار جلا کر خاکستر کر دیتی ہے"[1]

جس طرح شہاب نے حکومتی سطح پر اعلیٰ خدمات انجام دی ہیں۔ ایسے ہی انکی ادبی خدمات ہیں۔ "پاکستان رائٹرز گلڈ" کا قیام بھی غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے جنوری ۱۹۵۹ء میں اس تنظیم کے تحت کراچی میں ایک کنونشن منعقد ہوا جس میں شہاب نے انگریزی میں ایک مقالہ "ادیب اور آزادیٔ تحریر" کے عنوان سے پیش کیا جس کا ترجمہ اس کتاب میں شامل ہے۔ اس میں شہاب نے ادیب اور اسکی ذمہ داریوں کے باب میں بڑی عالمانہ بحث کی ہے ایک جگہ وہ ادیب کے متعلق فرماتے ہیں کہ "ادیب آپ سے برداشت کی نہیں فہم کی بھیک مانگتا ہے"[2]

شہاب کی تحریروں سے یہ بات پوری طرح عیاں ہے کہ ان کا اسلام سے غیر معمولی تعلق تھا۔ ہالینڈ میں اپنی سفارت کے دوران انہوں نے مولانا اشرف علیؒ کے رسالہ "ضیاء القصوب" کا انگریزی میں ترجمہ کیا تاکہ وہاں کے انسٹی ٹیوٹ آف پیرا سائیکالوجی کے سربراہ پروفیسر مشین ہاف کے سامنے اسلام کا تعارف کرا سکیں۔ وہ پڑھنے کے بعد اسلام کی حقانیت کے دل سے قائل تو ہو گئے لیکن معاشرے کے ڈر سے اسلام کی نعمت سے محروم رہے۔ البتہ جب انہوں نے اپنی اسٹینوگرافر کو کاغذات کے ساتھ رکھنے کے لئے دیا تو اس تحقیق طلب مس جین ڈالٹن نے پڑھا اور شہاب کے پاس آئی اور کہا کہ ہمیں مسلمان بنا دیں۔ چنانچہ خاموشی سے شہاب نے اسے مشرف بہ اسلام کیا اور بیگم محترمہ عفت نے اسے قرآن پڑھایا اور وہ اس توسل وہاں سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو اپنا مستقل مستقر بنا لیا۔[3]

یونیسکو کے ایگزیکٹو بورڈ کے شہاب ۸ سال ممبر بھی رہے۔ اس ممبر شپ سے انہوں نے اسلام کو بڑا فائدہ پہنچایا۔ فلسطینی مہاجرین کے بچوں کے لئے یونیسکو نے اپنے خرچ پر یروشلم دریائے اردن کے مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی میں بہت سے سکول قائم کر رکھے تھے۔ جن میں

[1] شہاب نامہ ص ۰۰۰ ، [2] ایضاً ص ۳۸ ، [3] ایضاً ص ۱۰۰۱



مسلمان اساتذہ کی تقرریاں ہوتیں اور یونیسکو کی جانب سے منظور شدہ نصاب پڑھایا جاتا لیکن جب وہاں اسرائیل کا اثر و رسوخ بڑھا تو انہوں نے ایک طرف مسلمان اساتذہ کو ان کے گھروں پر بٹھا کر انکی تنخواہیں پہنچا دیتے اور دوسری طرف منظور شدہ نصاب کو ختم کر کے اپنی کتابوں کو داخل کر دیا جس سے اسلام کی تصویر مسخ ہو رہی تھی چنانچہ کافی جدوجہد کے بعد شہاب نے اسرائیل کی طرف سے ۱۱۳ شر انگیز کتابوں کو ان مسلم سکولوں سے منسوخ کروا دیا اور آئندہ کی دیکھ ریکھ کے لئے مناسب انتظام بھی کیا۔[1]

شہاب نامہ کے دو مضمون "چندراوتی" اور "عفت" بھی "ماں جی" سے کم نہیں ہیں۔ بلکہ یہی دونوں مضمون شہاب نامہ کے وقار میں اضافہ کر دیتے ہیں "عفت" سے ایک طویل اقتباس پیش کیا جا رہا ہے تاکہ آپ بھی اس سے محظوظ ہو سکیں۔ ایک مرتبہ شہاب نے عفت کیلئے ایک قالین پسند کیا لیکن عفت نے اسے یوں مسترد کر دیا جس طرح وہ کسی چالاک سبزی فروش کو الٹے ہاتھوں باسی پالک مولی کا جمادار گوبھی کے پھول لوٹا رہی ہو۔ عفت کے اس رویے سے شہاب کو بڑا رنج ہوا۔ لیکن جب عفت نے اپنی تردید کو مدلل ثابت کیا تو قدرے انہیں سکون ہوا۔ جس کو شہاب نے اپنی کتاب میں یوں نقل کیا ہے۔

"اٹھ کر بیٹھ گئی اور اسکول کی استانی کی طرح بڑی وضاحت سے گن گن کر سمجھانے لگی کہ ہمارے یہاں ابن انشاء آتا ہے وہ بھسکڑا مار کر فرش پر بیٹھ جاتا ہے۔ ایک طرف مالٹے اور دوسری طرف مونگ پھلی، سامنے گنڈیریوں کا ڈھیر۔ جمیل الدین عالی آتا ہے آتے ہی فرش پر لیٹ جاتا ہے اور سگریٹ پر سگریٹ پی کر انکی راکھ ایش ٹرے میں نہیں بلکہ اپنے ارد گرد قالین پر بکھیرتا ہے۔ ممتاز مفتی ایک ہاتھ میں کھلے ہاتھ اور دوسرے ہاتھ میں زردے کی پڑیا لئے آتا ہے۔ اشفاق احمد قالین پر اخبار بچھا کر اس پر تربوز چیرنا پھاڑنا شروع کر دیتا ہے۔ ملتان سے انبار رنگ آم اور خربوزے لے کر آئیگا۔ ڈھاکہ سے جسیم الدین کیلے اور رس گلوں کی ٹپکتی ہوئی ٹوکری لائے گا۔ وہ یہ سب تحفے لا کر بڑے تپاک سے قالین پر سجا دیتے ہیں سال میں کئی بار سید ممتاز حسین شاہ بی۔ اے ساٹھ سال کی عمر میں ایم۔ اے انگلش کی تیاری کرتے

[1] شہاب نامہ ص ۱۰۵۹ ، [2] ایضاً ۱۰۷۱

آتا ہے اور قالین پر قاذ نشین پن چھڑک کر اپنی پڑھائی کرتا ہے۔ صرف ایک راجہ شفیع ہے جب کبھی وہ مکئی کی روٹی، سرسوں کا ساگ اور تازہ مکھن، اپنے گاؤں سے لے کر آتا ہے تو آتے ہی انہیں قالین پر نہیں انڈیلتا بلکہ بڑے قرینے سے باورچی خانے میں جا کر رکھ دیتا ہے کیونکہ وہ نہ شاعر ہے نہ ادیب۔ فقط ہمارے دوستوں کا دوست ہے۔[1]

اب تک مختلف اقتباسات کی روشنی میں قدرت اللہ شہاب کی اسلامی، ادبی اور سیاسی خدمات و نظریات کا ایک جائزہ پیش کیا گیا۔ اس کتاب میں شہاب نے دو عنوان "یورپ کے صوفی" اور "چھوٹا منہ بڑی بات" کے تحت کچھ تصوف کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے۔ جس کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پوری طرح تصوف کے زیر حراست آ گئے تھے۔ انہوں نے مراقبے کے طریقے بھی بتائے۔ انہوں نے کچھ تصوف کے سلسلے میں معلومات فراہم کی ہیں لیکن تصوف کے حقیقی چہرے سے ناآشنا رہے۔ تصوف دراصل اسلام کے متوازی ایک پورا نظام ہے۔ تصوف اسلامی اسپرٹ ختم کر کے مسلمانوں کو گوشۂ تنہائی کے سپرد کر دینا چاہتا ہے۔ تصوف یہاں ہے جس میں ولایت کو نبوت پر اور طریقت کو شریعت پر فوقیت دی جاتی ہے۔[2]

قدرت اللہ شہاب نے اپنی اس کتاب کا انتساب ماں جی، عفت، ثاقب، حبیب اور نائنٹی کے ناموں سے کیا ہے۔ انہیں "نائنٹی" کا تعلق انسانی گروہ سے نہیں ہے "نائنٹی" قدرت اللہ شہاب کے ایک گمنام اور نادیدہ خضر راہ تھے جو مختلف مواقع پر انہیں تحریری شکل میں مشورے دیتے۔ "نائنٹی" اپنی باتیں کاغذ پر لکھ کر کبھی اوپر سے گرا دیتے اور کبھی متعینہ جگہ پر کاغذ رکھ دیتے۔ یہ ساری چیزیں وہ انگریزی میں لکھ کر دیتے اور اپنی باتیں پوری کرنے کے بعد نیچے فقط NINETY لکھ دیتے۔ قدرت اللہ شہاب نے نائنٹی کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے وہ عام انسانی فہم سے بالاتر ہے۔ ان تمام واقعات کی تصدیق ان کے احباب کے ساتھ ساتھ مشہور افسانہ نگار ممتاز مفتی نے بھی اپنی مختلف تحریروں میں کی ہے۔

---

[1] شہاب نامہ ص ۱۰۲۱-۱۰۲۲ [2] تصوف کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے دیکھئے تصوف کا ایک تجزیاتی مطالعہ۔ ڈاکٹر عبید اللہ فراہی، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ۔ نیز دیکھئے مشائخ چشت اور کسب معاش۔ ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی، سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ ۲/۱۰ رجب۔ جون ۱۹۹۱ء مزید دیکھئے امام غزالی کا تصوف۔ ڈاکٹر غلام قادر لون، سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ ۳/۵ جولائی۔ ستمبر ۱۹۸۶ء۔



ڈاکٹر اختر الزماں

# ملت کا اتحاد، وقت کی ایک اہم ضرورت

ہر دور میں "اتحاد" کی ضرورت رہی ہے اور آئندہ بھی اس کی ضرورت ہوگی۔ ملت اتحاد کے فوائد اور اس میں نفاق کے نقصان سے واقف ہے۔ موجودہ دور میں ملت کے خلاف عالمی پیمانے پر جو محاذ آرائی ہے اور اس میں جو قومیں اور گروہ اتحاد و اتفاق کے ساتھ شامل ہیں وہ کبھی آپس میں دست و گریباں تھے۔ لیکن چونکہ معاملہ مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا ہے اس لئے وہ ایک پلیٹ فارم پر صف آرا ہیں۔ اس کے برخلاف ملت کا شیرازہ ادنیٰ سے لے کر اہم باتوں تک جس طرح بکھر رہا ہے اس کے پیش نظر ملت کے اندر اتحاد کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔ اگر خدانخواستہ اس اہم ضرورت پر خاطر خواہ توجہ نہ دی گئی تو ہم ایسا وقت ضائع کر دیں گے جو ہمارے لئے کامیابی و کامرانی کا سامان فراہم کر سکتا ہے، اور وقت ہماری اس چوک کا ہم سے یقیناً بدلہ لے گا جس کے نتیجے میں ہماری بربادی کے اندیشے بڑھتے جائیں گے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ملت کے اندر جتنے اور جس نوعیت کے اختلافات ہیں، ان سب سے آنکھیں چار کر کے اختلافات کو دور کرنا جوئے شیر لانے کے مصداق ہے۔ لیکن دوسری حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ جو کام جس قدر اہم ہوتا ہے وہ اسی قدر مشکل اور عقدۂ لاینحل معلوم ہوتا ہے۔ جواں مردی اور اخوت کا تقاضا ہے کہ اس مشکل اور دشوار کام کو انجام دینے کی سعی پیہم کی جائے تاکہ ملت کی ڈگمگاتی کشتی کو طوفان کے تھپیڑوں سے محفوظ رکھا جا سکے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتحاد کے لئے کون سے خطوط کھینچے جائیں جن کی مدد سے اس آگ کے دریا کو عبور کیا جا سکے۔ اس سلسلے میں ضرورت اقدامات کی ہے

[illegible] کو ایک جذبۂ عمل اور خلوص دل کے ساتھ زخم کے اندمال کی تدبیر کرنی ہوگی۔ اگر بات صدق دل سے اتحاد کا ارادہ کرے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ موجودہ دور کے مسائل کا حل تلاش کرنے میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان افراد کو طرح طرح کے درد و کرب اور تضحیک و دشنام کا نشانہ بننا پڑے گا۔ اس عظیم کام کے لئے اس حد تک قربانی تو بہر حال دینی پڑے گی۔

ملت کے افراد غور و خوض کریں تو اتحاد کے لئے بعض ایسے عناصر ہاتھ لگ سکتے ہیں جو ہماری ضرورت ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے ہر متلاشی کے ہاتھ کچھ نہ کچھ ضرور آ جاتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ وقت کی پکار پر لبیک کہا جائے۔ بہر حال ملت کے اتحاد کے لئے بعض ہمدردانہ خطوط اور نکات مندرجہ ذیل ہیں جن کی مدد سے اس کام کو آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔

۱۔ دشمن طاقتیں ہمیں اکائی کے روپ میں دیکھتی ہیں اور ہم پر حملہ آور ہوتی ہیں۔ پھر کیوں نہ ہم ایک جٹ ہو کر اپنا دفاع کریں۔ ایک اور ایک مل کر ہی تو گیارہ بنتے ہیں۔

۲۔ ہماری عبادت گاہوں اور مذہبی مقامات کی حرمت جس طرح پامال و تاراج کی جا رہی ہے اس سے ملت کی چولیں ہل جاتی ہیں، ہماری ساکھ کمزور پڑتی جا رہی ہے۔ اسمیں جان ڈالنے کیلئے اپنے اختلافات کو دور کر کے اتحاد کا چلن عام کرنا ہوگا۔ اپنی مشترکہ آبرو بچانے کیلئے مشترکہ اقدام ضروری ہے۔

۳۔ ہمارے خلاف ہمارے ہی بھائیوں کو استعمال کیا جا رہا ہے۔ لہذا اس بات کی ضرورت ہے کہ اپنے بھائیوں کی غلط فہمیوں کو دور کر کے انہیں اپنا دوست بنائیں۔

۴۔ اسلام میں ذات پات، کالے گورے، علاقائی اور لسانی تعصب کی کوئی گنجائش نہیں لیکن ہمارے اندر ہر طرح کے تعصب پروان چڑھ رہے ہیں۔ انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہوگا

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی　　اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی
بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا　　نہ ایرانی رہے باقی نہ تورانی نہ افغانی

۵۔ بعض اختلافات وہ ہیں جن کی رو سے ہم ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں اور روزمرہ کی زندگی میں ایک دوسرے سے کٹے کٹے رہتے ہیں یا ایسا برتاؤ کرتے ہیں جیسا کہ دشمن سے



بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر ہم دوسرے گروہ سے متعلق تھوڑی سی غلط فہمی دور کر لیں تو ان شاء اللہ اس نفرت میں کمی آجائے گی۔

۶۔ ہم اپنے مخصوص عقائد و نظریات کو اپنے تک محدود رکھیں اور دوسروں پر لادنے کی کوشش نہ کریں، کیونکہ جس طرح سے ہم اپنے عقیدے کو سب سے بہتر سمجھتے ہیں، اسی طرح دوسرا بھی تو اپنے عقیدے کو سمجھتا ہے۔

۷۔ ہم اپنے عقیدے اور مخصوص فرائض کو ادا کریں لیکن دوسروں پر حملہ نہ کریں تاکہ دوسرے کے حملے سے محفوظ رہیں۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہم جس کام کو بہتر سمجھتے ہیں اسے انجام نہ دیں یا تبلیغی کام بند کر دیں۔ کیا ہم اس طرح عمل نہیں کر سکتے جس سے دوسروں کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے!

۸۔ خالص جذباتیت سے پرہیز کریں کیونکہ یہ اقدام تصادم تو کرا سکتا ہے لیکن مفاہمت نہیں۔ نرے جذباتی عمل سے مذہب کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔

۹۔ اسلام کا بنیادی عقیدہ کتاب و سنت ہے، انہی پر ہمارے اعمال و فرائض کا انحصار ہے، ملت کے ہر فرد کا بنیادی حق ہے کہ وہ اپنے عقیدہ و اعمال کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھے۔ اگر دوسروں کو ان سے منحرف دیکھے تو خلوص نیت سے انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کرے نہ کہ انہیں برا بھلا کہے۔

۱۰۔ ہمارے اندر تکبر، تنگ نظری، عدم تعاون، بے جا حقوق طلبی، تن آسانی اور فرائض سے انحراف کا رجحان پروان چڑھتا جا رہا ہے۔ اسے تقویٰ اور صبر و استقلال سے ختم کرنا ہوگا۔

۱۱۔ بلا تفریق ملت کے ہر گروہ میں تعلیمی فقدان، معاشرتی آلودگی اور لہو و لعب بڑھتا جا رہا ہے۔ ملت کے افراد نے مادے کو بہت اہمیت دے رکھی ہے۔ ان خرافات کو دور کرنا ہوگا۔

۱۲۔ ہمارے تعلیمی، تہذیبی اور سماجی ادارے نفاق و انتشار کا شکار ہو کر بے جان ہو گئے ہیں۔ خلوص و محبت سے ان میں جان ڈالنی ہوگی۔

۱۳۔ ہمارے سامنے افغان مجاہدین کے جہاد کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم کتاب و سنت کی آواز پر لبیک کہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیابی ہمارے پاؤں نہ چومے

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے　　ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

ابن العلم فلاحی کے قلم سے

# اخبار علمیہ

## پاکستان میں قرآن حکیم کے صحیح ترجمے وتفسیر کیلئے بورڈ کے قیام کا فیصلہ

اسلام آباد، حکومت پاکستان نے فیصلہ کیا ہے کہ قرآن حکیم کے اصل لفظ بلفظ ترجمہ کے علاوہ کسی قسم کے ترجمے کی اشاعت کی اجازت نہیں دی جائے گی اور قومی زبان میں قرآن حکیم کے صحیح ترجمے وتفسیر کیلئے موثر اقدامات کئے جائیں گے یہ فیصلہ قرآن حکیم کے غلط تراجم کی روک تھام کیلئے کیا گیا ہے یہ بات مذہبی امور کے وفاقی وزیر مولانا عبد الستار نیازی نے ٹیلی ویژن پر ایک انٹرویو میں کہی انہوں نے کہا کہ حکومت نے مختلف مکاتب فکر کے جید علماء پر مشتمل ایک بورڈ قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو مختلف علماء کی طرف سے شائع کرائے گئے تراجم وتفاسیر کا جائزہ لے کر ان نکات کو واضح کرے گا جہاں ابہام پایا جاتا ہو گا۔

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۲۲ اپریل ۱۹۹۳ء ص ۵)

## کنز الایمان وخزائن العرفان کا بنگلہ ترجمہ

بنگلہ دیش کے ماہر عالم دین، مشہور مترجم ماہنامہ ترجمان اہل سنت وجماعت "(چاٹگام) کے سابق مدیر، جمعیت طلبہ اہل سنت بنگلہ دیش، اسلامی یونیورسٹی "کے بانی جناب حضرت مولانا الحاج محمد عبد المنان صاحب نے اعلیٰحضرت، امام اہل سنت عظیم البرکت علیہ الرحمہ کے مشہور ترجمہ قرآنی "کنز الایمان" مع تفسیر وحاشیہ "خزائن العرفان" از صدر الافاضل محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ کا بنگلہ زبان میں مکمل ترجمہ کر چکے ہیں۔

بنگلہ دیش کے مشاہیر علماء اہل سنت بالخصوص پیشوائے اہل سنت، استاذ العلماء حضرت العلام قاضی نور الاسلام ہاشمی صاحب، نگران دینی حضرت مولانا مصلح الدین صاحب اور حضرت العلام الحاج اسماعیل جانی صاحب (بانی مدرسہ شرفیہ درق) کے زیر نگرانی بنگلہ دیش کے ایک



مشہور کمپیوٹر آفسیٹ پریس میں طباعت کا کام جاری ہے۔

پتہ برائے رابطہ:۔ مولانا محمد عبد المنان، پوسٹ بکس نمبر ۳۳۲، ابو ظبی، الامارات العربیہ المتحدہ

(ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ جنوری ۱۹۹۳ء ص ۵)

## مدارس اسلامیہ بہار کی فہرست

امارت شرعیہ صوبہ بہار سے متعدد حضرات نے یہ درخواست کی تھی کہ وہ صوبہ بہار کے مستند مدارس کی ایک فہرست شائع کرے جس میں انکے بارے میں ضروری معلومات فراہم کی جائیں تاکہ انہیں ان سے استفادہ کرنے اور امداد کرنے میں سہولت ہو چنانچہ مخلصین کے اصرار پر امارت شرعیہ نے اس طرح کا اقدام ضروری سمجھا اور اس کے لئے باضابطہ فارم جاری کیا اور اہل مدارس نے اس کو پُر کر کے بھیجا۔ اور اب الحمد للہ ۲۲۶ مدارس کی تفصیلات پر مشتمل یہ فہرست شائع ہو گئی ہے خواہشمند حضرات رجسٹری ساتھ فی رسالہ پچاس روپے بھیج کر حاصل کر سکتے ہیں۔

(ہفت روزہ نقیب پھلواری شریف پٹنہ ۲۲ فروری ۱۹۹۳ء ص ۱۱)

## ترجمہ کرنے والا ٹیلی فون

ٹوکیو ــــ اب کمپیوٹر ٹیلی فون ترجمہ کریں گے۔ اگر ایک جاپانی ٹیلی فون میں "موشی موشی" بولتا ہے تو دوسری طرف آٹھ سیکنڈ بعد ٹیلی فون سے منسلک کمپیوٹر سے "ہیلو" کی آواز آئے گی۔

پہلی بار بین اقوامی فون کال پر کمپیوٹرائزڈ ٹیلی فون ٹرانسلیشن سسٹم کو ٹیسٹ کیا گیا ایک سسٹم کے تحت ٹیلی فون استعمال کرنے والے ٹیلی فون میں ایک زبان میں بات کریں گے اور دوسری طرف دوسرا شخص ایک کمپیوٹر کے ذریعے خود بخود ترجمہ کئے ہوئے الفاظ سنے گا۔

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۴ فروری ۱۹۹۳ء)

## ملیالم زبان میں اسلامی انسائیکلوپیڈیا

کالی کٹ، اسلامک پبلشنگ ہاؤس، کالی کٹ نے ایک انتہائی اہم خدمت انجام دی ہے، اس ادارے نے ملیالم زبان میں اسلامی انسائیکلوپیڈیا تیار کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ دس جلدوں پر مشتمل یہ انسائیکلوپیڈیا اسلام کا بھرپور تعارف کرائے گی۔ اس کی ہر جلد ایک ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہوگی

سائیکلو پیڈیا کی تیاری بڑی محنت اور انتہائی احتیاط اور چھان پھٹک کے بعد کی جارہی ہے، کوشش کی گئی ہے کہ اس میں جو مضامین بھی شامل کئے جائیں وہ مستند ہوں اور ایسی کوئی بات نہ پیش کی جائے جو خلاف واقعہ ہو یا جس سے کوئی پہلو ماند پڑتا ہو۔ اس کے مشاورتی بورڈ میں پورے ملک کے مشاہیر شامل ہیں، مختلف علوم کے ماہرین نے پوری چھان پھٹک کے بعد مضامین کی شمولیت کا فیصلہ کیا ہے۔

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۴ر فروری ۱۹۹۳ء)

## تحریک ادب اسلامی کے ترجمان "پیش رفت" کے اجراء کی تیاریاں جاری

دہلی ۱۵ر اپریل، ادارہ ادب اسلامی ہند کے تحت ادبی ماہنامہ کو "پیش رفت" کے نام سے شائع کرنے کی تیاری ہو رہی ہے اور کوشش کی جارہی ہے کہ اس کا پہلا شمارہ جلد منظر عام پر آسکے۔ "پیش رفت" ادارہ کے دفتر ۲۲۴۰ بارہ دری بلی ماران دہلی۔ ۶ سے شائع ہوگا۔ یہی مراسلت اور ترسیل زر کا بھی پتہ ہوگا۔

اس موقع پر ایک پریس نوٹ کے ذریعہ ادارہ کے جنرل سکریٹری جناب انتظار نعیم نے ادارہ کے وابستگان اور بہی خواہ حضرات سے اپیل کی ہے کہ وہ رسالہ کی ہر ممکنہ معاونت فرمائیں۔

موصوف نے اہل قلم حضرات سے بھی گذارش کی ہے کہ وہ "پیش رفت" کے لئے اپنی تخلیقات ارسال فرمائیں اور تحریک ادب اسلامی کے فروغ میں معاون و مددگار بنیں۔

---

بقیہ: دہی ذبح بھی ......

چلانے لگ جائیں تو قلم کو سہم کر رک جانا ہی پڑتا ہے کسی خونخوار بیوی کے زیر عتاب شوہر کی طرح ـــــ اور قبل اس کے کہ صفحات کے سر پیٹنے کی آوازیں مدیر مجلہ تک بھی اپنا سُر ملانے لگیں، اگلے کالم تک کے لئے اجازت یعنی کہ اللہ حافظ، زندہ رہے نام اللہ کا، پھر ملیں گے اگر خدا لایا۔

---

بقیہ: غیر مسلم اکثریت ......

کیا جائے، ان کے ذہنوں کے لئے اچھی غذا، مناسب دوا، طاقتور و پرکشش اسلامی ادب فراہم کیا جائے، اور دلوں میں موجود دینی غیرت و اسلامی حمیت کو بیدار کیا جائے۔



# صدائے صورِ اسرافیل

محمد قمرالدین قمر رام نگری

مسلمانو! خدا سے لو لگاؤ اب ضروری ہے
بنو دیندار، دین کے کام آؤ اب ضروری ہے

اٹھو سب ساتھ مل کر تھام لو اللہ کی رسی
مٹاؤ تفرقے سارے، مٹاؤ اب ضروری ہے

فروعی مسئلوں پر چھوڑ دو آپس میں تم لڑنا
بھلا چاہو تو ان کو بھول جاؤ اب ضروری ہے

تمہارے حال پر خود ہی خدا کو رحم آجائے
دعائیں مانگو رو رو گڑگڑاؤ اب ضروری ہے

کرو اب فکر اپنے دین و ایماں کی بھی کچھ لوگو
بچاؤ دین و ایماں کو بچاؤ اب ضروری ہے

بداعمالی سے اپنی خوب بھڑکاتے رہے دوزخ
اسے توبہ کے اشکوں سے بجھاؤ اب ضروری ہے

مسلماں بن کے جینا ہے مسلماں رہ کے مرنا ہے
عمل اس قول پر کرکے دکھاؤ اب ضروری ہے

پڑے سوتے رہے تم خواب غفلت میں مرے پیکر
مگر بس جاگو اور جگاؤ اب ضروری ہے

تمہاری مسجدیں کس پیار سے تم کو بلاتی ہیں
بساؤ انکو سجدوں سے بساؤ اب ضروری ہے

اذاں کہتی ہے کیا اسکو سنو اور دھیان دو اسپر
نمازوں کیلئے مسجد میں جاؤ اب ضروری ہے

نہیں ہے سو باقی سہارا ہی کہیں کوئی
خدا کے دامنِ رحمت میں آؤ اب ضروری ہے

سبھی راہوں سے تم منہ موڑ کر سمتِ سفر بدلو
فقط قرآن کو رہبر بناؤ اب ضروری ہے

رسول اللہ کی سنت ہے بیشک اسوۂ حسنہ
اسے اپناؤ، حرزِ جاں بناؤ اب ضروری ہے

صحابہ کے پڑھو حالات اور ایماں کرو تازہ
سنو اور سیرتِ نبوی سناؤ اب ضروری ہے

گناہوں سے کرو توبہ سراپا خیر بن جاؤ
سوئے جنت قدم پے بڑھاؤ اب ضروری ہے

بنو ہاں دین کے داعی کرو اللہ کی نصرت
خدا سے فتح پر پھر فتح پاؤ اب ضروری ہے

یہ دنیا اور اس دنیا کا سارا عیش ہے فانی
نہ ریجھو اس پہ اور دھوکہ نہ کھاؤ اب ضروری ہے

اگر اب بھی نہ تم بدلے تو مٹ جاؤگے، بچ جاؤ
نئے سر سے انھو ایمان لاؤ اب ضروری ہے

جو جینا چاہتے ہو فکرِ دنیا خوفِ باطل سے
تو رب کی یاد کو دل میں بساؤ اب ضروری ہے

کرو ہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر — خدا کو خوش کرو انعام پاؤ اب ضروری ہے
دے گر نام کے مسلم نہ ہوگا کام کچھ اس سے — عمل اسلام پر کر کے دکھاؤ اب ضروری ہے
جو دشمن ہے ازل ہی سے تمہارا اسکو پہچانو — نہ تم شیطاں کے دھوکے میں آؤ اب ضروری ہے
بہت کھاتے رہے چکر کے اندھیروں میں بہت بھٹکے — دلوں میں شمع ایماں کی جلاؤ اب ضروری ہے
یقیں جانو یہ ہے ابلیس کا ایماں شکن آلہ — نہ اپنا وقت ٹی وی میں گنواؤ اب ضروری ہے
ڈرو اللہ سے اسکی پکڑ سے نار دوزخ سے — سینما ہال میں بھی تم نہ جاؤ اب ضروری ہے
جوئے سے ہیں کہیں بڑھکر مضر سرکاری لاٹریاں — نہ اس میں روپے اپنے لگاؤ اب ضروری ہے
اسے تم صور اسرافیل اور حق کی صدا سمجھو — قمر کی نظم اکثر گنگناؤ اب ضروری ہے

---

بقیہ: ادارہ کی جان . . . . . .

اور آپ کی عزم ان سب کی تلافی کرے گا اور جامعہ کی رفتار ترقی میں فرق نہیں پڑنے پائے گا بلکہ اضافہ ہی ہوگا مجھے آپ لوگوں سے بڑی توقعات ہیں۔ میں آپ حضرات سے بڑی امید لیے اور آپ حضرات کی دعاؤں کے توشے کے ساتھ سفر حج پر روانہ ہو رہا ہوں جہاں رہوں گا آپ کے لیے دعائیں کرتا رہوں گا اور آپ حضرات سے بھی اسی کی امید رکھتا ہوں کہ اس عاجز و گنہ گار کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

میں انسان ہوں، مجھ پر مختلف قسم کی ذمہ داریاں رہی ہیں۔ انسان ہونے کے ناطے بھول چوک کا امکان ہے۔ خطا و نسیان کا احتمال ہے۔ اس بات کا بھی بہت امکان ہے کہ مجھ سے زیادتی ہوئی ہو امید ہے کہ آپ معاف کر دیں گے میں بھی تمام باتیں بھلاتا ہوں اللہ آپ کی اور ہماری مدد فرمائے۔ آمین

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

---

## توجہ طلب

ماہ مارچ ۱۹۹۳ء تک جن خریداروں کی مدت خریداری ختم ہو رہی ہے۔ انہیں اطلاع دی جا چکی ہے۔ لہٰذا آئندہ کیلئے فوراً سالانہ زر تعاون پچاس روپئے روانہ فرمائیں ورنہ آئندہ پرچے کی ترسیل بند کر دی جائے گی

(منیجر)



عبدالبر اثری فلاحی

# تعارف و تبصرہ

| | |
|---|---|
| نام کتاب | طبی لغت نویسی کے مبادیات |
| مصنف | حکیم محمد اجمل خاںؒ |
| مترجم | محمد رضی الاسلام ندوی |
| ضخامت | ۸۰ صفحات |
| قیمت | بیس روپئے |
| کتابت و طباعت | مناسب |
| ملنے کے پتے | (۱) اسلامک بک ہاؤس شمشاد مارکیٹ علی گڑھ<br>(۲) مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی پان والی کوٹھی دودھ پور، علی گڑھ - یوپی |

یہ کتابچہ حکیم محمد اجمل خاںؒ کے ایک رسالہ "مقدمۃ اللغات الطبیۃ" کا اردو ترجمہ ہے حکیم محمد اجمل خاں ان گنے چنے حکماء میں سے ایک ہیں جو فن طب میں مجتہدانہ شان رکھتے تھے چنانچہ انہوں نے اس میدان میں کئی نئی چیزیں دریافت کیں اور بہت کچھ اضافہ کیا جیسا کہ ان کی تصنیفات اور رسائل سے اندازہ ہوتا ہے۔ خود یہ کتابچہ بھی انکی اسی طرح کی کوششوں کا مظہر ہے۔ چنانچہ وہ طبی لغات میں پائی جانے والی غلطیوں کے پیش نظر ایک ایسی کتاب لکھنا چاہتے تھے جو مختلف طبی لغات اور مختلف زبانوں کے طبی الفاظ کی جامع ہو اور تمام غلطیوں سے پاک ہو جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے "جب میں نے دیکھا کہ اس فن کی مشہور کتابیں بھی ناقدانہ مطالعہ کرنے پر درجہ اعتبار سے گر جاتی ہیں تو ارادہ کیا کہ طبی لغت کی ایک ایسی جامع کتاب تصنیف کروں جو خوائب سے پاک و صاف اور آب چشمہ حیواں کی طرح خالص ہو" ص ۹ پھر آگے وہ تحریر کرتے ہیں "[illegible]

دل میں خیال آیا کہ یہ کام شروع کرنے سے پہلے ایک مقدمہ تصنیف کروں جس کی حیثیت کلیات کی ہو اس کے بعد اصل کتاب کی تصنیف شروع کروں" چنانچہ یہ کتابچہ وہی مقدمہ ہے جس کا ترجمہ حزمی ڈاکٹر ظفر الاسلام ندوی نے کیا ہے۔ آپ علمی حلقوں کیلئے محتاج تعارف نہیں رہے کئی کتابوں کا ترجمہ کر چکے ہیں۔ اور وہ شائع بھی ہو چکی ہیں، مساشاعتی "آیات" علی گڑھ کے معاون مدیر اور ماہنامہ "ارشاد" وغیرہ کی مجلس ادارت میں بھی ہیں۔

فن طب میرا موضوع نہیں کہ طبی نقطہ نظر سے میں اس کتاب پر کلام کر سکوں۔ البتہ ترجمانی کے سلسلے میں کچھ خامہ فرسائی کی جرأت صرف اس امید پر کر رہا ہوں کہ شاید کوئی مفید بات سامنے آجائے۔

اس طرح کی کتابوں کے اردو ترجمے کی افادیت بطور خاص اس پہلو سے ہوتی ہے کہ غیر عربی داں طبقے کیلئے استفادہ آسان ہو جائے کیونکہ اب اردو اور انگریزی میڈیم سے پڑھے ہوئے طلبہ بھی طب یونانی سے دلچسپی لیتے اور اسے حاصل کرتے ہیں جو کہ عربی سے یا تو بالکل نابلد ہوتے ہیں یا بہت ہی کم جانتے ہیں چنانچہ وہ انگریزی کتب کی طرف زیادہ راغب ہوتے ہیں پایہ کہ انہیں بالکل آسان اردو میں کوئی کتاب میسر آجائے تو وہ اسے نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہیں۔ میری سمجھ سے زیر تبصرہ کتاب میں ترجمانی کے مذکورہ پہلو کی رعایت نہیں کی گئی ہے۔ چنانچہ بہت سے عربی الفاظ و اصطلاحات بغیر کسی ترجمانی کے یوں ہی نقل کر دی گئی ہیں حالانکہ کم از کم بریکٹ میں اس کا ترجمہ برائے تفہیم تو دیا ہی جا سکتا تھا۔ موجودہ صورت میں یہ کتاب عربی داں کیلئے سہولت بخش تو ضرور ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن دوسروں کے لئے بہت زیادہ مفید نہیں۔ ہاں اگر یہ کمی دور کر دی جائے تو پھر یہ کتاب ان کیلئے بھی نعمت غیر مترقبہ کم نہیں۔

میرے اس شکوہ کی دلیل تو پوری کتاب ہے میں صرف ایک جملہ نقل کرتا ہوں

"وجع قوت لمس کے شیئی منافی سے انفعال کو کہتے ہیں جبکہ ألم صرف شیئی منافی کے ادراک کو کہتے ہیں" صـ ۲۱

مذکورہ کمی کے باوجود ہر ایک بقدر ظرف و طلب استفادہ کر سکتا ہے۔

بقیہ صفحہ ۷۱



# ادارہ کی جان آپ ہی ہیں

حاجی عبد التبین صاحب
ناظم جامعہ

اساتذہ کرام و دیگر معزز کارکنان جامعہ! اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنے دین کی خدمت کی توفیق بخشی ہماری کیا حیثیت تھی یہ اس کا فضل اور احسان ہے ہمیں اس پر اپنے مالک و مولیٰ کا شکر بجالانا چاہئے۔ شکر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم اس خدمت میں زیادہ سے زیادہ لگ جائیں اور ہماری کوشش ہو کہ ہمارے یہاں سے ایک سے بڑھکر ایک دین کے سپاہی اور مجاہد پیدا ہوں۔

بھائیو اور بزرگو! دنیا میں دولت کمانے کی بہت سی شکلیں تھیں روزی کمانے کے بیشمار ذرائع تھے لیکن آپ حضرات نے محض اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کی خاطر اس وادی غیر ذی زرع کا انتخاب کیا۔ مدرسہ اینٹ اور پتھر سے عبارت نہیں، مدرسہ تو طلبہ اور آپ سے عبارت ہے۔ آپ کا مقام بہت بلند ہے بلکہ اس ادارہ کی جان آپ ہی ہیں۔ آپ چاہیں تو ساری کمی دور ہو سکتی ہے۔ نصاب کی خرابی ہو یا نظام میں کوئی کمزوری آپ کا خلوص اور آپ کی محنت ہر چیز کی تلافی کر سکتی ہے۔

ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ جس طریقہ سے آپ کی ضرورتیں ہمیں پوری کرنی چاہئے تھیں وہ ہم نہیں کر سکتے ہیں۔ ہمارے سامنے کا ذہن ہے، ہماری اپنی مجبوریاں ہیں اور کچھ ہماری اپنی کمزوریاں۔ آپ حضرات اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ ہمیں اپنا فرض نبھانے کی توفیق، ہمت اور طاقت بخشے۔

پہلے تو چھوٹی موٹی ذمہ داریاں وقتاً فوقتاً میرے کمزور کندھے پر پڑتی رہی ہیں لیکن ادھر رمضان کے قبل نظامت کی بھاری ذمہ داری کا بوجھ مجھے اٹھانا پڑا ہے دوسری طرف ملکی صورت حال جس بری طرح سے بگڑ گئی ہے اس کا ہمارے ذرائع آمدنی پر بری طرح سے اثر پڑا ہے۔ ان حالات میں میری نگاہیں آپ ہی طلبہ، اساتذہ اور کارکنان کی جانب اٹھتی ہیں کہ آپ کا خلوص

---

۲۱ مئی ۱۹۹۲ء کو اساتذہ اور کارکنان جامعہ کی ایک نشست میں مورخہ کے موقع پر ناظم جامعہ کا ایک خطاب۔

بقیہ صفحہ ۶۳

محمد اسماعیل فلاحی

# جامعہ کے لیل و نہار

## جامعہ ہمدرد دہلی کے وائس چانسلر اور دوسرے معززین جامعہ میں

ابن سینا طبیہ کالج بیناپارہ، اعظم گڑھ میں طب یونانی پر ایک سیمینار کا اہتمام تھا۔ ملک کے طول و عرض سے اس میں شرکت کے لئے دانشور تشریف لائے تھے۔ ان دانشوروں نے یہ گوارا نہ کیا کہ اعظم گڑھ آکر جامعۃ الفلاح دیکھے بغیر واپس ہو جائیں۔ وقت کی تنگی کے باوجود انہوں نے اس کے لئے گنجائش نکال لی ۱۲ اپریل ۹۳ء کی شام تقریباً ستر افراد کا قافلہ جامعہ پہونچا اور اس نے اپنی آتش شوق بجھائی۔ تمام ہی مہمان اہل علم و دانش کے زمرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں جامعہ ہمدرد دہلی کے وائس چانسلر جناب رشید الظفر صاحب، شعبہ طب یونانی جامعہ ہمدرد کے پرنسپل جناب اور ابن سینا طبیہ کالج بیناپارہ کے پرنسپل جناب ارشاد احمد صاحب بھی تھے۔

ان کے اعزاز میں ایک مختصر پروگرام رکھا گیا۔ صدر جامعہ جناب مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی نے جامعہ کا تعارف کرایا اور مختلف مہمانوں کے تاثرات سامنے آئے۔ جناب وائس چانسلر نے جامعہ ہمدرد کا تعارف کراتے ہوئے اس بات کا اعتراف کیا کہ دیگر مدارس کے مقابلہ میں جامعۃ الفلاح کے طلبہ جامعہ ہمدرد دہلی میں زیادہ فائق اور ممتاز ہوتے ہیں۔ انہوں نے توجہ دلائی کہ اگر انگریزی زبان کی طرف تھوڑی اور توجہ دی جائے تو یہ طلبہ بہت آگے نکل سکتے ہیں۔ موصوف نے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حصول علم کا سارا انحصار تنہا ذہانت پر نہیں، جہد مسلسل اور سعی پیہم پر ہے۔ اگر ایک طالب علم لگاتار محنت کرتا رہے تو ذہانت کی کمی سد راہ نہیں بن سکتی، وہ اسکی تلافی کر سکتا ہے۔ موصوف نے یہ خواہش ظاہر کرتے ہوئے اپنی بات ختم کی کہ جامعۃ الفلاح کے اساتذہ، کارکنان اور طلبہ جامعہ ہمدرد دہلی تشریف لائیں اور انہیں میزبانی کا موقع دیں۔

دوران تعارف "کلیۃ البنات" جامعۃ الفلاح کی کارکردگی سے یہ وفد [illegible]



کے ساتھ متاثر ہوا جہاں ڈھائی ہزار طالبات زیر تعلیم ہیں۔ رات دیر گئے یہ قافلہ ہنستا مسکراتا واپس ہوا۔

## جمعیت کے اسٹیج پر اکرام الرحمٰن اپنے تازہ دم ساتھیوں کیساتھ

جمعیۃ الطلبہ طلبہ کی عملی تربیت گاہ ہے۔ وہ کالج کی طلبہ یونینوں کی طرح کوئی پولیٹکل فورم نہیں۔ وہ طلبہ کی صلاحیتوں کو ابھارنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعہ انہیں اپنے اجتماعی معاملات چلانے کی تربیت ملتی ہے۔ طلبہ اپنے ذمہ داروں کا اپنے اندر سے تقویٰ اور صلاحیت کی بنیاد پر انتخاب کرتے ہیں۔ ۹۳-۱۹۹۲ء کے لئے طلبہ جامعہ نے اپنی جمعیت کا سکریٹری عزیزی اکرام الرحمٰن عربی ششم (فاضل) متوطن بہار کو منتخب کیا ہے۔ انکے رفقاء کار حسب ذیل ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| معتمد لائبریری | | عمر فخری | اعظم گڑھ |
| " رسائل و جرائد | | شکیل احمد | الہ آباد |
| " طعام | | محمد اسلم | جونپور |
| " ورزش و کھیل | | نسیم احمد | ہزاری باغ |
| " صفائی و باغبانی | | محمود بدائی | سدھارتھ نگر |
| " خدمت خلق | | عبدالقیوم | " " |
| " اردو خطابت ششم | | قاسم رسول | راجستھان |
| " انگریزی " | عربی پنجم تا ہفتم | ممتاز عالم | مظفرپور |
| " عربی " | " " " | جنید احمد | گونڈہ |
| " انگریزی " | " اول تا چہارم | فیصل امین الاسلام | بدایوں |
| " عربی " | " " " | محمد طارق | ڈہری آن سون |
| " اردو " | عربی ہفتم | محی الدین غازی فلاحی | اعظم گڑھ |
| " " " | " پنجم | ابوزید | " |
| " " " | " چہارم | ضمیر الحسن | بدایوں |

| | | | |
|---|---|---|---|
| معلم اردو خطابت وصحافت | عربی سوم | مصباح الحسن | حیدرآباد |
| " " " " | " دوم | نیاز احمد | اعظم گڑھ |
| " " " " | " اول | عبدالحی اثری | دربھنگہ |

## ناظم جامعہ اور دیگر وابستگان جامعہ سفر حج پر

ناظم جامعہ جناب عبدالمتین صاحب، ممبر انتظامیہ جناب ڈاکٹر علاؤالدین صاحب اور استاذ محترم مولانا صغیر احسن اصلاحی صاحب سفر حج پر روانہ ہو چکے ہیں۔ ان عازمین سفر حج سے اجتماعی ملاقات کا پروگرام رکھا گیا اور ۲۰ مئی ۹۳ء کو اساتذہ اور کارکنان کی ایک خصوصی نشست ہوئی۔ اس موقع پر نائب ناظم جامعہ جناب مولانا ابوبکر صاحب اصلاحی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اراکین انتظامیہ، متوسلین جامعہ اور اساتذہ کرام میں سے کسی کے سفر حج کی اطلاع ملتی ہے تو فطری طور پر خوشی ہوتی ہے۔ دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے حج کو حج مبرور بنائے اور جو باقی رہ گئے ہیں انہیں بھی اس فریضہ کی ادائیگی کی توفیق دے۔ اس موقع پر انہوں نے سفر حج پر روانہ ہونے والے بزرگوں سے گذارش کی کہ دعا کی قبولیت والے مقدس مقامات میں وہ جامعہ، اساتذہ، کارکنان، طلبہ اور سارے متوسلین کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔
اس موقع پر ناظم جامعہ جناب عبدالمتین صاحب نے جن احساسات کا اظہار فرمایا، قارئین اسی شمارہ میں الگ سے اس کا مطالعہ فرما سکتے ہیں۔

## نگرانی اور کھانے کے نظام میں تبدیلی

جامعہ صرف تعلیم گاہ ہی نہیں، تربیت گاہ بھی ہے۔ درجہ کے اوقات کے علاوہ بھی طالب علم نظم میں کسا ہوتا ہے اور اس کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔

تعلیم و تربیت کو بہتر بنانے کی غرض سے نیا نظام ترتیب دیا گیا ہے جس کی رو سے محمد بن عبدالوہاب منزل (طیبہ منزل) میں ایک، حسن البنا منزل میں دو (ایک بالائی حصہ میں دوسرا نیچے) اور مودودی منزل میں ایک مستقل مربی (نگراں) منتخب کئے گئے ہیں۔ اور جو طلبہ کی بورڈنگ مودودی منزل کے علاوہ ہر منزل میں صبح و شام الگ الگ ایسے باصلاحیت جدید و قدیم دونوں علوم میں ماہر معاون مربی فراہم کئے گئے ہیں جن کی موجودگی اور نگرانی میں طلبہ



مطالعہ کریں گے۔ آموختہ دہرائیں گے اور اشکالات میں ان کی جانب رجوع کریں گے۔ توقع ہے اس طرح طلبہ کے اوقات منظم ہو سکیں گے اور ان کا علمی ارتقا ہوگا۔

بعض مسائل سے نمٹنے اور کچھ امور پر قابو پانے کیلئے عربی درجات کے طلبہ کا کھانا ان کے کمروں میں پہونچایا جا رہا ہے اور امید کی جاتی ہے کہ وہ یکسو ہو کر زیادہ سے زیادہ مطالعہ میں لگ سکیں گے۔ واضح رہے کہ پہلے یہ طلبہ طعام گاہ میں ایک ساتھ اجتماعی طور پر کھانا کھایا کرتے تھے۔

## فلاح عام سوسائٹی کا اجلاس جامعہ میں

قارئین کو یاد ہوگا پچھلے سال اترپردیش فلاح عام سوسائٹی کی جانب سے جامعہ میں معلمات کا تربیتی کیمپ لگا تھا۔ تعلیم و تربیت کے معیار کو بہتر بنانے کے سلسلہ میں اس سوسائٹی کی کوششیں قابل قدر ہیں۔

جامعۃ الفلاح کی مرکزیت کی بنا پر اس دفعہ اس سوسائٹی کی مجلس انتظامی اور مجلس عاملہ کے سالانہ اجلاس کے لئے جامعۃ الفلاح کا انتخاب کیا گیا اور ۲۴ اپریل ۹۳ء کو سوسائٹی کا اجلاس جامعہ میں شروع ہوا اور ۲۵ تک جاری رہا۔

## متعدد اساتذہ کی جدائی

ہمیں افسوس ہے کہ ماسٹر ظفر عالم صاحب، ماسٹر اختر الزماں صاحب، جناب وسیم ملک فلاحی صاحب، جناب اسلم خان صاحب (دفتر اہتمام)، ماسٹر سراج احمد صاحب، ماسٹر محمد ایوب صاحب (ابتدائی) اور جناب جنید احمد صاحب الیکٹریشین (ELECTRICIAN) اپنے اپنے مشاغل اور حالات کی بنا پر اب جامعہ سے وابستہ نہیں رہے۔ ان سبھی حضرات نے اپنے متعلقہ شعبوں میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ متعلقین جامعہ انکی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ خدا ان کا حامی و ناصر ہو، یہ جہاں رہیں اسی مقصد کے لئے کام کرتے رہیں جس کے لئے جامعہ کی تاسیس ہوئی ہے اور ہم ان سے بجا طور پر امید رکھتے ہیں کہ یہ جہاں کہیں رہیں گے جامعہ کو یاد رکھیں گے۔

## اسٹاف میں کچھ نئے چہرے

یہ ماسٹر الطاف حسین مغل صاحب (مرادآباد)، ماسٹر عمادالدین صاحب (رام نگر بنارس)، ماسٹر اعجاز احمد صاحب (جونپور)، جناب معین الدین فلاحی صاحب (بلریا گنج)، ماسٹر حسین الدین صاحب (جنیدی کلاں)، اور قاری خادم حسن

صاحب (گورکھپور) ہیں شعبۂ تدریس میں انکا تقرر عمل میں آیا ہے۔ دلشاد حسین فلاحی صاحب (بجنور) محمد شاہد فلاحی صاحب (اعظم گڑھ) اور جناب محمد افضل احمد صاحب (ہزاری باغ) ہیں دفتر نظامت کو ان کی خدمات حاصل ہوئی ہیں۔ جناب رفیع الدین فلاحی (اعظم گڑھ) دفتر تعلیمات میں ہیں۔ امتیاز احمد صاحب (گورکھپور) الیکٹریشین ELECTRICIAN کی حیثیت سے نظر آرہے ہیں اور جناب عبدالعظیم فلاحی صاحب (اعظم گڑھ) دفتر نظامت سے شعبۂ تدریس میں منتقل ہو گئے ہیں۔

### داخلہ کیلئے مہمانوں کی آمد ورفت

سال نو آیا اور تشنگان علم کی ایک قطار لگ گئی۔ یوں لگا جیسے ہر نشیب و فراز کی منزل بس ایک ہے جامعۃ الفلاح، ہمیں بڑا دکھ ہے کہ جگہ کی تنگی اور وسائل کی کمیابی کی بنا پر بے شمار شائقین علم اپنی آرزوئیں اپنے سینے میں لئے واپس ہو گئے اور ہم بس کلیجہ مسوس کر رہ گئے۔ ہمیں اس کا بھی احساس ہے کہ ہم اپنے مہمانوں کی خاطر خواہ ضیافت نہ کر پائے۔ جامعہ میں معقول مہمان خانہ نہ ہونے کی وجہ سے انہیں دقت کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ ہم اپنے مہمانوں سے معذرت خواہ ہیں۔ امسال ۲۴۴ طلبہ اور ۲۳۷ طالبات کے نئے داخلے ہوئے۔

### متعدد فلاحیوں کو صدمہ

عبدالاحد فلاحی صاحب مدھوبنی کی اہلیہ محترمہ ایک لمبی بیماری کے بعد اپنے اہل خانہ کو سوگوار چھوڑ گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ صدر انجمن مولانا رحمت اللہ الاثری فلاحی صاحب، سعد الاثری صاحب فلاحی اور احسن الاثری فلاحی کی بہن تھیں۔

جناب خالد حامدی فلاحی صاحب اور راشد حامدی فلاحی صاحب کے والد بزرگوار جناب مولانا سید حامد علی صاحب رمضان میں طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ مرحوم جامعہ کی مجلس تعلیمی کے ممبر تھے اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

### آفتاب رحمانی فلاحی حیات نو سے علیحدہ

برادر آفتاب رحمانی فلاحی صاحب ایک سال سے معاون مدیر کی حیثیت سے ہمارے ساتھ تھے۔ ان کا تقرر عارضی تھا۔ موصوف کی مدت کارکردگی میں توسیع نہ ہونے کی وجہ سے اب وہ ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو شرف قبول بخشے۔



# روداد انجمن

محمد اسامہ [illegible] فلاحی

### شوریٰ کا اجلاس

انجمن طلبۂ قدیم کی شوریٰ کا اجلاس ۱۹ جنوری ۱۹۹۳ء کو کورم پورا نہ ہونے کی وجہ سے ملتوی ہو گیا تھا۔ یہ ملتوی شدہ اجلاس ۱۹ مارچ ۱۹۹۳ء کو جامعہ میں منعقد ہوا۔ صدر انجمن اور سکریٹری انجمن کے علاوہ ارکان شوریٰ میں سے ابوالکلام فلاحی صاحب، نسیم غازی فلاحی صاحب، انصار احمد فلاحی صاحب حاضر رہے۔ جناب عبدالمبین فلاحی صاحب بطور مشاہد شریک ہوئے۔ ظہیر عالم صاحب فلاحی، شبیر احمد صاحب فلاحی، منور حسین صاحب فلاحی، اور مقبول احمد صاحب فلاحی شریک نہ ہو سکے۔

اجلاس میں جامعہ کے نصاب تعلیم پر غور ہوا اور مجلس انتظامیہ کو مفید مشورے دیئے گئے۔ سمینار کے مقالوں کے بارے میں طے پایا کہ نسیم غازی صاحب کمپیوٹر سے کتابت کے بعد [illegible] علیہ سے شائع کرائیں گے۔ اجلاس کی V.D.O. کیسٹ کا کام مقبول احمد فلاحی صاحب کے سپرد ہوا۔ یہ بھی طے ہوا کہ انجمن کی دہلی یونٹ اپنی آمدنی کا نصف مرکز کو بھیجا کرے۔ انجمن کے لئے جیپ اور ٹیلیفون کی ضرورت کا شدت سے احساس تھا۔ چنانچہ جیپ خریدنے اور ٹیلیفون کا فیصلہ کیا گیا۔

### دہلی یونٹ کا انتخاب

۱۴ مارچ ۹۳ء کو جامعہ ملیہ اسلامیہ کی جامع مسجد [illegible] کا پروگرام ہوا۔ افطار کا اجتماعی نظم تھا۔ حکیم عبدالباری [illegible] صدر یونٹ دہلی نے تعزیتی کلمات پیش کرتے ہوئے مولانا سید حامد علی مرحوم کے فضائل [illegible] گنائے۔ ادب و صحافت اور دعوت کے میدان میں ان کی نمایاں کارکردگی کو سراہا۔ شرکاء نے جامعہ کی مدت تعلیم میں اضافہ پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس کی۔ شرکاء اجلاس کی یہ بھی رائے آئی کہ صدر انجمن طلبہ قدیم بحیثیت عہدہ جامعہ کی مجلس انتظامی کا رکن ہو۔

بعد ازاں یونٹ کا نیا انتخاب عمل میں آیا اور جناب محمد اکرم فلاحی صاحب جامعہ [illegible]

# حلقۂ یاراں

مدیر محترم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ سب لوگ بہر نوع بخیر ہوں۔

ماہنامہ "حیات نو" شمارہ مارچ ۱۹۹۳ء دیکھنے کو ملا، پڑھا، یوں تو سارے مضامین پڑھنے کے لائق ہیں، مگر دو مضامین نے خاص طور پر مجھے متاثر کیا۔

۱۔ لکھنے کو کون ٹال سکے ہے بھئی میاں، انداز مزاحیہ ہے مگر اس کے اندر چھپے ہوئے "تیر و نشتر" بڑے کام کے ہیں، شرط "شعور و نظر" کی ہے۔

۲۔ "جواں ہوں اگر میری قوم کے جسور و غیور" یہ مضمون، مسلم نوجوانوں کو "خواب غفلت" سے بیدار کرنے کے لئے بڑا کردار ادا کر سکتا ہے، اگر مسلمان دھیان دیں، اللہ تعالیٰ صاحبِ قلم کو اجر عظیم سے نوازے اور جملہ قارئین کو نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے، مضمون بہت ہی حوصلہ بخش اور ہمت افزا ہے۔

"ایک تحریر" اور دل کو چھو گئی، جناب نذیر احمد صاحب نے بالکل صحیح فرمایا کہ عربی پنجم سے سند کا دروازہ کھول کر، جامعہ نے اچھا نہیں کیا، تربیت کی کمی اور فکر کی پختگی نہ ہونے کی وجہ سے، پنجم سے جانے والے طلبہ وہ کردار ادا نہیں کر پاتے، جو ان کے شایان شان ہے۔

یہ یاد رہے کہ میں دلی اور علیگڑھ برابر جاتا رہتا ہوں، مسلم یونیورسٹی میں میرا لڑکا، ڈاکٹر جمشید ناصر اور "جامعہ ملیہ" میں میرا دوسرا لڑکا، انجینئر انیس الرحمن ناصر بحیثیت استاد، اپنے اپنے شعبوں میں کام کر رہے ہیں، یہ اس لئے عرض کر دیا، تاکہ میری رائے مشاہدے پر مبنی، سمجھی جائے۔

دیکھیے! "پسند اپنی اپنی، خیال اپنا اپنا" تمام پرسان حال کی خدمت میں سلام و دعا عرض ہے۔

والسلام

طالب دعا، عبدالرحمن ناصر اصلاحی، جامعی


## ادب پارے

**ادبیات مودودیؒ** مشہور محقق پروفیسر خورشید احمد کے قلم سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے ادبی مقام و مرتبہ کی تعیین، ان کے تعلق سے دنیائے ادب کے مشاہیر کی آراء، مضامین اور مقالے ۔۔۔ اور مولانا کے بعض ادب پاروں کا انتخاب۔

سائز ۲۳×۳۶/۱۶ صفحات ۴۴۸ قیمت ۳۰/-

**نور کی ندیاں رواں** جناب نعیم صدیقی مدیر سیارہ۔ لاہور۔ جذب و شوق میں ڈوبی ہوئی کیف آور نعتوں کا مجموعہ۔

سائز ۲۳×۳۶/۱۶ صفحات ۱۶۰ قیمت ۲۰/

**نغمۂ احساس** مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے تعلق سے جناب نعیم صدیقی کی نظموں کا دلکش مجموعہ۔ سائز ۲۳×۳۶/۱۶ صفحات ۸۰ قیمت ۹/

**عکس اسرار خودی** حکیم الامت علامہ اقبالؒ کی پہلی منظوم فارسی تصنیف "اسرار خودی" کا منظوم اردو ترجمہ۔ مترجم شاعر نے اس بات کا بھرپور التزام کیا ہے کہ ترجمے کے لئے اسلوب اور وزن بھی وہی اختیار کیا ہے جو علامہ کی نظم کا ہے۔

مترجم شاعر: ڈاکٹر عصمت جاوید

مقدمہ نگار: ڈاکٹر سید اسعد گیلانیؒ

سائز ۲۳×۳۶/۱۶ صفحات ۸۴ قیمت ۱۰/-

فہرست کتب مفت طلب فرمائیں

مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۳۵۳۔ بازار چتلی قبر، دہلی ۱۱۰۰۰۶۔ فون: 26-2862